امام، محمد بن علی، ابن ابوالعز، حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) فرماتے ہیں :

''سفارش کے بارے میں بھی مسلمانوں میں اختلاف ہے، وہ تین گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں ؛ مشرکین، نصاریٰ اور اپنے بزرگوں کی تعظیم میں غلو سے کام لینے والے بدعتی (روزِ قیامت) اپنے بزرگوں کی سفارش کو دنیاوی سفارش کی طرح سمجھتے ہیں (جو کسی کی شخصیت سے مرعوب ہو کر قبول کی جاتی ہے)، اس کے برعکس معتزلہ اور خوارج نے کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لیے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صالحین کی سفارش کا انکار ہی کر دیا ہے۔ رہے اہل سنت والجماعت، تو وہ (شرک کے علاوہ دیگر) کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے بارے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صالحین کی شفاعت کے قائل ہیں، لیکن ان کے عقیدے کے مطابق جب تک اللہ تعالیٰ اجازت نہیں دے دیتا اور سفارش کی کوئی حد مقرر نہیں کر دیتا، اس کے دربار میں کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحیح فرمان میں یہی بات مذکور ہے : قیامت کے روز لوگ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پھر نوح، پھر ابراہیم، پھر موسیٰ، پھر موسیٰ علیہم السلام کے پاس آئیں گے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے : تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی اور پچھلی ساری لغزشیں معاف فرما دی ہیں۔ وہ میرے پاس آئیں گے، تو میں جاؤں گا۔ جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا، تو سجدے میں گر جاؤں گا۔ میں اپنے رب کی وہ تعریفیں کروں گا، جو اللہ تعالیٰ مجھے اسی وقت الہام کر رہا ہو گا۔ اب میں ان کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اے محمد! اپنے سر کو اٹھائیے اور کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ سفارش کیجیے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا : میرے رب! میری امت کو معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ میرے لیے ایک حد مقرر کر دے گا۔ ان لوگوں کو تو میں جنت میں داخل کر دوں گا۔ پھر میں سجدے میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ میرے لیے ایک حد مقرر فرمائے گا۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمائی (صحیح بخاری :4712، صحیح مسلم :194)۔

(شرح العقیدۃ الطحاویّۃ :235/1، 236، طبعۃ دار السلام)

دین اسلام طہارت و نظافت کا دین ہے۔اس نے زندگی کے سفر میں انسان کو کئی حوالے سے غسل کی تاکید کی ہے۔غسل کی کئی قسمیں ہیں،مثلاً فرض و واجب،مسنون و مستحب اور مباح۔آیئے ان سب اقسام کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہیں،لیکن اس سے پہلے غسل کی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

غسل کي تعريف:

وَحَقِيقَةُ الِاغْتِسَالِ غَسْلُ جَمِيعِ الْأَعْضَاءِ، مَعَ تَمْيِيزِ مَا لِلْعِبَادَةِ عَمَّا لِلْعَادَةِ نِيَّةً .

”حقیقت میں غسل جسم کے سارے اعضا کو اس طرح دھونے کا نام ہے کہ نیت میں یہ فرق موجود ہو کہ غسل عبادت کے لیے کیا جارہا ہے یا عادت کے طور پر۔“

(فتح الباري :360/1)

اب ہر قسم کے غسل کی الگ الگ وضاحت پیشِ خدمت ہے:

فرض غسل:

① اخراجِ مني پر غسل:

منی کے خارج ہونے پر غسل فرض ہو جاتا ہے،خواہ وہ مجامعت کی وجہ سے ہو یا احتلام کی بنا پر،جیسا کہ:

① فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدۃ 5 : 6)

''اور اگر تم جنبی ہو، تو غسل کرو۔''

② نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ (النساء 4 : 43)

''ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب (مساجد میں) نہ جاؤ، حتی کہ جو تم کہہ رہے ہو، اس کا تمہیں ادراک ہونے لگے، اور نہ جنابت کی حالت میں، حتی کہ غسل کرلو، الا یہ کہ تم نے صرف راستہ عبور کرنا ہو۔''

یہ آیات امامِ بخاری رحمہ اللہ نے وجوبِ غسل کے اثبات کے لیے پیش کی تھیں، اس کے تحت شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (771-852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْكَرْمَانِيُّ : غَرَضُهٗ بَيَانُ أَنَّ وُجُوبَ الْغُسْلِ عَلَى الْجُنُبِ مُسْتَفَادٌ مِنَ الْقُرْآنِ، قُلْتُ : وَقَدَّمَ الْآيَةَ الَّتِي مِنْ سُورَةِ الْمَائِدَةِ عَلَى الْآيَةِ الَّتِي مِنْ سُورَةِ النِّسَاءِ لِدَقِيقَةٍ؛ وَهِيَ أَنَّ لَفْظَ الَّتِي فِي الْمَائِدَةِ ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ فَفِيهَا إِجْمَالٌ، وَلَفْظَ الَّتِي فِي النِّسَاءِ ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ فَفِيهَا تَصْرِيحٌ بِالِاغْتِسَالِ، وَبَيَانٌ لِّلتَّطْهِيرِ الْمَذْكُورِ، وَدَلَّ عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ فَاغْتَسِلُوا، قَوْلُهٗ تَعَالٰى فِي الْحَائِضِ : ﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى

يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ أَيِ اغْتَسَلْنَ اتِّفَاقًا .

''کرمانی کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جنبی پر غسل کا وجوب قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ میں (ابن حجر) کہتا ہوں: امام صاحب نے سورۂ مائدہ والی آیت کو سورۂ نسا والی آیت سے پہلے ذکر کیا ہے، اس میں ایک باریک نکتہ ہے۔ وہ یہ کہ سورۂ مائدہ کا لفظ ﴿فَاطَّهَّرُوا﴾ (طہارت حاصل کرو) مجمل ہے، جبکہ سورۂ نسا کے لفظ ﴿حَتّٰی تَغْتَسِلُوا﴾ (حتی کہ تم غسل کرلو) میں غسل کی صراحت اور مذکورہ طہارت کی وضاحت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ﴿فَاطَّهَّرُوا﴾ کی یہی مراد ہے کہ غسل کرو، جیسا کہ حائضہ عورت کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰی يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ (تم ان کے قریب نہ جاؤ، حتی کہ وہ طہارت حاصل کر لیں، جب وہ خوب پاک ہو جائیں) سے مراد اتفاقی طور پر یہی ہے کہ وہ غسل کر لیں۔''(فتح الباري :1/359)

مشہور لغوی، علامہ ابن اثیر، جزری رحمہ اللہ (544-606ھ) جنبی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

اَلْجُنُبُ الَّذِي يَجِبُ عَلَيْهِ الْغُسْلُ بِالْجِمَاعِ وَخُرُوجِ الْمَنِيِّ .

''جنبی وہ ہے، جس پر مجامعت اور منی کے خروج کی وجہ سے غسل واجب ہو جائے۔''(النهاية في غريب الحديث والأثر :1/302)

③ ام المومنین، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیدہ ام سُلَیم رضی اللہ عنہا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا۔ فرمائیے کہ جب عورت کو احتلام ہو جائے، تو کیا

اس پر غسل فرض ہوتا ہے۔اس پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ».

''ہاں، جب وہ پانی دیکھے۔''(صحيح البخاري : 282، صحيح مسلم : 313)

④ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے بہت زیادہ مذی (بوسہ یا مداعبت کے باعث بلا ارادہ پیشاب کی نالی سے نکلنے والا مادہ) آتی تھی۔میں نے اس کے خروج پر غسل کرنا شروع کر دیا۔اس سے میری کمر میں درد نکلنے لگا۔میں نے اس سلسلے میں جب نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا،تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَفْعَلْ، إِذَا رَأَيْتَ الْمَذْيَ؛ فَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، وَتَوَضَّأْ وُضُوئَكَ لِلصَّلَاةِ، فَإِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ؛ فَاغْتَسِلْ».

''آپ غسل نہ کیا کریں، بلکہ جب مذی دیکھیں،تو اپنی شرمگاہ کو دھولیں اور نماز والا وضو کرلیں اور جب منی خارج ہو،تو پھر غسل کیا کریں۔''

(سنن أبي داوٗد : 206، سنن النسائي : 193، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کوامام ابن خزیمہ (20) اورامام ابن حبان (193) نے''صحیح'' کہا ہے۔

⑤ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

«إِذَا خَذَفْتَ؛ فَاغْتَسِلْ مِنَ الْجَنَابَةِ، وَإِذَا لَمْ تَكُنْ خَاذِفًا؛ فَلَا تَغْتَسِلْ».

''جب منی خارج ہو،تو غسل جنابت کریں اور جب ایسا نہ ہو،تو غسل نہ کریں۔''

(مسند الإمام أحمد :1/107، وسندهٗ حسنٌ)

ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر احتلام محسوس ہو اور منی خارج نہ

ہو، تو غسل واجب نہیں ہوتا، لیکن اگر نیند سے بیدار ہونے پر تری محسوس ہو، لیکن احتلام کے بارے میں یاد نہ ہو، تو غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اس حکم میں مرد و زن برابر ہیں۔

⑥ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

هُوَ الْمَنِيُّ وَالْمَذْيُ وَالْوَدْيُ، فَأَمَّا الْمَذْيُ وَالْوَدْيُ؛ فَإِنَّهُ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ، وَأَمَّا الْمَنِيُّ؛ فَفِيهِ الْغُسْلُ .

''(مرد کی شرمگاہ سے خارج ہونے والے پانی) منی، مذی اور ودی (پیشاب کے بعد نکلنے والا سفید اور رقیق مادہ) ہیں۔ مذی اور ودی خارج ہونے کی صورت میں شرمگاہ کو دھو کر وضو کر لیا جائے اور منی کے خروج پر غسل کرنا ضروری ہے۔''

(شرح معاني الآثار للطحاوي :47/1، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ وَالتَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانَ وَالشَّافِعِي وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ .

''اکثر اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کا یہی قول ہے، نیز امام سفیان، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کا یہی فتویٰ ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 114)

منی کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے:

«إِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيظٌ أَبْيَضُ، وَمَاءُ الْمَرْأَةِ رَقِيقٌ أَصْفَرُ» .

''مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے، جبکہ عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے۔''

(صحيح مسلم :311)

الحاصل منی خارج ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے، خواہ وہ خروج جماع کرنے سے

ہو یا احتلام وغیرہ سے۔

② مجامعت پر غسل :

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، ثُمَّ جَهَدَهَا، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ».

''جب تم میں سے کوئی عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے، پھر زور لگائے، تو غسل فرض ہو جاتا ہے۔''

(صحيح البخاري :291، صحيح مسلم : 348/87)

صحیح مسلم اور مسند احمد (348/2) میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وَإِنْ لَّمْ يَنْزِلْ. ''اگرچہ انزال نہ بھی ہو۔''

② ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ، وَمَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ؛ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ».

''جب کوئی عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے اور ختنہ ختنے سے مل جائے، تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔''(صحيح مسلم : 349)

ختنے سے ختنہ ملنے کی مراد واضح کرتے ہوئے حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْعُلَمَاءُ : مَعْنَاهُ غَيَّبْتَ ذَكَرَكَ فِي فَرْجِهَا.

''علماءِ کرام کہتے ہیں: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں

غائب ہو جائے۔"(شرح صحیح مسلم : 42/4)

نیز فرماتے ہیں:

وُجُوبُ الْغُسْلِ وَجَمِيعُ الْأَحْكَامِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْجِمَاعِ؛ يُشْتَرَطُ فِيهَا تَغْيِيبُ الْحَشَفَةِ بِكَمَالِهَا فِي الْفَرْجِ، وَلَا يُشْتَرَطُ زِيَادَةٌ عَلَى الْحَشَفَةِ، وَلَا يَتَعَلَّقُ بِبَعْضِ الْحَشَفَةِ وَحْدَهُ شَيْءٌ مِّنَ الْأَحْكَامِ.

"غسل کے فرض ہونے اور جماع کے متعلقہ تمام احکام کے لاگو ہونے کے لیے شرط ہے کہ مرد کا حشفہ مکمل طور پر عورت کی فرج میں غائب ہو جائے۔ نہ حشفہ سے زیادہ دخول شرط ہے، نہ حشفہ کے بعض حصے کا کسی حکم سے کوئی تعلق ہے۔"

(المجموع شرح المهذّب : 133/2)

③ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، أَنَّ الْفُتْيَا الَّتِي كَانُوا يُفْتُونَ، أَنَّ الْمَاءَ مِنَ الْمَاءِ، كَانَتْ رُخْصَةً رَّخَّصَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَدْءِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالِاغْتِسَالِ بَعْدُ.

"مجھے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اہل علم جو یہ فتویٰ دیتے تھے کہ پانی (غسل) پانی (خروجِ منی) سے ہی فرض ہوتا ہے، دراصل یہ رخصت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءِ اسلام میں دی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دخول پر ہی) غسل کا حکم دے دیا۔"(سنن أبي داوٗد : 215، وسندهٗ صحيحٌ)

④ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ مُجْتَمِعَةٌ الْآنَ عَلٰى وُجُوبِ الْغُسْلِ بِالْجِمَاعِ،

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَّعَهُ إِنْزَالٌ، وَعَلٰى وُجُوبِهِ بِالْإِنْزَالِ كَانَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ عَلٰى أَنَّهُ لَا يَجِبُ إِلَّا بِالْإِنْزَالِ، ثُمَّ رَجَعَ بَعْضُهُمْ وَانْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ بَعْدَ الْآخَرِينَ .

”جان لیجیے کہ اب امتِ مسلمہ جماع کی وجہ سے غسل کے واجب ہونے پر متفق ہے، اگرچہ انزال نہ بھی ہوا ہو۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ غسل صرف انزال کی وجہ سے فرض ہوتا ہے، لیکن ان میں سے کچھ نے اس بات سے رجوع بھی کر لیا تھا اور بعد میں اس پر اجماع ہو گیا تھا۔“

(شرح صحیح مسلم : 36/4)

③ حیض کے بعد غسل :

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ (البقرۃ 2 : 222)

”(اے نبی!) وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ یہ نجاست ہے۔ حیض میں عورتوں (کے ساتھ جنسی تعلق) سے دُور رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، (جماع کی نیت سے) ان کے قریب نہ جاؤ۔ جب وہ غسل کر لیں، تو جیسے اللہ نے حکم دیا ہے، ان کے پاس آؤ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

② ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ بنتِ ابو حُبَیش رضی اللہ عنہا

کو استحاضہ کا خون آتا تھا۔انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَ بِحَيْضٍ، فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ؛ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ؛ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ، ثُمَّ صَلِّي».

''یہ رگ کا خون ہے،حیض نہیں۔جب آپ کو حیض آئے،تو نماز کو چھوڑ دیجیے اور جب حیض ختم ہو جائے،تو غسل کر کے نماز ادا کیجیے۔''

(صحیح البخاري: 228، صحیح مسلم: 333)

④ نفاس کے بعد غسل :

حائضہ اور نفاس والی عورت کا حکم ایک ہی ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى وُجُوبِ الْغُسْلِ بِسَبَبِ الْحَيْضِ وَسَبَبِ النِّفَاسِ، وَمِمَّنْ نَّقَلَ الْإِجْمَاعَ فِيهَا؛ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ جَرِيرٍ الطَّبَرِيُّ وَآخَرُونَ.

''علماءِ کرام کا حیض اور نفاس کی وجہ سے غسل فرض ہونے پر اجماع ہے۔جن اہل علم نے اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے،ان میں امام ابن منذر،امام ابن جریر طبری اور دیگر شامل ہیں۔''(المجموع شرح المهذّب: 148/2)

⑤ میت کا غسل :

اس غسل کے بارے میں علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَجِبُ عَلَى الْأَحْيَاءِ، إِذْ لَا وُجُوبَ بَعْدَ الْمَوْتِ مِنَ الْوَاجِبَاتِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْبَدَنِ.

''یہ زندہ لوگوں پر فرض ہے، کیونکہ موت کے بعد بدن کے متعلقہ واجبات میں سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔'' (الدراري المضيّة : 70/1)

① سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَيْنَمَا رَجُلٌ وَّاقِفٌ مَّعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ، إِذْ وَقَعَ مِنْ رَّاحِلَتِهٖ، فَأَقْصَعَتْهُ، أَوْ قَالَ : فَأَقْعَصَتْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ».

''ایک صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفہ میں کھڑے تھے کہ اچانک اپنی سواری سے گر گئے اور موقع پر ہی فوت ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: انہیں پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیں۔''

(صحيح البخاري : 1266، صحيح مسلم : 1206)

② سیدہ امِ عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فوت ہوئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیات سے فرمایا:

«اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، إِنْ رَأَيْتُنَّ، بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ».

''انہیں پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ تین یا پانچ یا ضروری سمجھیں تو اس سے بھی زیادہ دفعہ غسل دیں۔'' (صحيح البخاري : 1253، صحيح مسلم : 939)

③ امام ابن منذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعُوا أَنَّ الْمَيِّتَ يُغَسَّلُ غُسْلَ الْجَنَابَةِ .

''امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ میت کو غسلِ جنابت کی طرح غسل دیا جائے گا۔''(الإجماع، ص: 42)

مستحب غسل :

① قبولِ اسلام پر غسل :

جب کوئی کافر مسلمان ہو جائے، تو اس پر غسل کرنا مستحب ہے، جیسا کہ:

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ ثُمَامَةَ الْحَنَفِيَّ أَسْلَمَ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَغْتَسِلَ، فَاغْتَسَلَ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَقَدْ حَسُنَ إِسْلَامُ أَخِيكُمْ» .

''سیدنا ثمامہ حنفی رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے غسل کیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: تمہارے بھائی کا اسلام بہترین ہو گیا ہے۔''

(مصنّف عبد الرزّاق: 318/10، ح: 19226، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود (15) اور امام ابنِ خزیمہ (253) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

② جمعۃ المبارك كے دن غسل :

جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے، جیسا کہ:

① سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ؛ فَلْيَغْتَسِلْ» .

''جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھنے آئے،تو غسل کر کے آئے۔''

(صحيح البخاري : 877، صحيح مسلم : 844)

② سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ» .

''جمعہ کے دن غسل ہر بالغ مسلمان پر واجب (متاکد) ہے۔''

(صحيح البخاري : 879، صحيح مسلم : 846)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لِلّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ أَنْ يَّغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا» .

''اللہ تعالیٰ کا ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ ہر سات دنوں میں ایک دن غسل کرے۔''(صحيح البخاري : 898، صحيح مسلم : 849)

ان احادیث کا معنیٰ درج ذیل احادیث وآثار سے واضح ہو جاتا ہے:

④ ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ مَّنَازِلِهِمْ وَالعَوَالِيِّ، فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ يُصِيبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ، فَأَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْسَانٌ مِّنْهُمْ، وَهُوَ عِنْدِي، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هٰذَا» .

”لوگ جمعہ کے دن اپنے گھروں اور دُور کے علاقوں سے گرد وغبار سے گزر کر آتے تھے۔ وہ گرد وغبار میں اَٹے ہوتے تھے اور پسینے سے شرابور ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت میرے پاس تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اس دن کے لیے غسل کرتے (تو اچھا ہوتا)۔“(صحيح البخاري : 902، صحيح مسلم : 847)

⑤ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے:

كَانَ النَّاسُ مَهَنَةَ أَنْفُسِهِمْ، وَكَانُوا إِذَا رَاحُوا إِلَى الْجُمُعَةِ؛ رَاحُوا فِي هَيْئَتِهِمْ، فَقِيلَ لَهُمْ : «لَوِ اغْتَسَلْتُمْ» .

”صحابہ کرام محنت و مزدوری کرنے والے لوگ تھے، جب وہ جمعہ کے لیے آتے، تو اپنی اسی حالت میں آتے۔ اس پر انہیں یہ فرمایا گیا کہ اگر تم غسل کرو، تو بہتر ہے۔“(صحيح البخاري : 903، صحيح مسلم : 847)

⑥ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، بَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ فِي الْخُطْبَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَادَاهُ عُمَرُ : أَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهٖ؟ قَالَ : إِنِّي شُغِلْتُ، فَلَمْ أَنْقَلِبْ إِلٰى أَهْلِي حَتّٰى سَمِعْتُ التَّأْذِينَ، فَلَمْ أَزِدْ أَنْ تَوَضَّأْتُ، فَقَالَ : وَالْوُضُوءُ أَيْضًا، وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ .

’’سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ مہاجرینِ اوّلین میں سے ایک صحابی مسجد میں داخل ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پکارا: یہ کون سا وقت ہے؟ انہوں نے کہا: میں کام میں مصروف تھا اور گھر لوٹا ہی تھا کہ اذان سنی، صرف وضو ہی کیا اور آ گیا۔ فرمایا: اور کیا بھی صرف وضو، جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو غسل کا حکم فرماتے تھے۔‘‘

(صحيح البخاري: 878، صحيح مسلم: 845)

⑦ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ؛ فَبِهَا وَنَعِمَتْ، وَيُجْزِئُ مِنَ الْفَرِيضَةِ، وَمَنِ اغْتَسَلَ؛ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ» .

’’جو شخص وضو کرے، اس نے سنت کو لیا اور یہ سنت اچھی ہے اور اس کا فرض بھی ادا ہو گیا، لیکن جو شخص غسل کرے، تو یہ عمل زیادہ بہتر ہے۔‘‘

(السنن الكبرىٰ للبيهقي: 295/1، وسندهٗ حسنٌ)

⑧ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ؛ فَبِهَا وَنَعِمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ؛ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ» .

’’جو شخص جمعہ کے دن وضو کرتا ہے، وہ سنت پر عمل کرتا ہے اور یہ اچھی سنت ہے، لیکن جو شخص غسل کرتا ہے، اس کا عمل زیادہ اچھا ہے۔‘‘

(مسند علي بن الجعد: 986، مسند الإمام أحمد: 11/5، 22، سنن أبي داوٗد: 354، سنن النسائي: 1381، سنن الترمذي: 497، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن''، جبکہ امام ابن جارود (285) اور امام ابن خزیمہ (1757) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (شرح صحیح مسلم : 133/6) نے اسے ''حسن'' اور حافظ بوصیری (اتحاف :268/2) نے اس کی سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔

امام قتادہ رحمہ اللہ سے امام شعبہ رحمہ اللہ بیان کریں، تو ''تدلیس'' کا مسئلہ رفع ہو جاتا ہے۔ جبکہ حسن بصری رحمہ اللہ، سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی کتاب سے بیان کرتے ہیں۔

⑨ عکرمہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّ أُنَاسًا مِّنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَائُوا، فَقَالُوا : يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، أَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا ؟ قَالَ : لَا، وَلٰكِنَّهٗ أَطْهَرُ، وَخَيْرٌ لِّمَنِ اغْتَسَلَ، وَمَنْ لَّمْ يَغْتَسِلْ؛ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ، وَسَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ، كَانَ النَّاسُ مَجْهُودِينَ يَلْبَسُونَ الصُّوفَ وَيَعْمَلُونَ عَلٰى ظُهُورِهِمْ، وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُّقَارِبَ السَّقْفِ، إِنَّمَا هُوَ عَرِيشٌ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ حَارٍّ، وَعَرِقَ النَّاسُ فِي ذٰلِكَ الصُّوفِ، حَتّٰى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ، آذٰى بِذٰلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، فَلَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيحَ؛ قَالَ : «أَيُّهَا النَّاسُ، إِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمَ فَاغْتَسِلُوا، وَلْيَمَسَّ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيبِهٖ»، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : ثُمَّ جَاءَ اللّٰهُ

بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوا غَيْرَ الصُّوفِ، وَكُفُوا الْعَمَلَ، وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ، وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِي كَانَ يُؤْذِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِّنَ الْعَرَقِ.

''اہل عراق میں سے کچھ لوگ آئے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے: ابن عباس! کیا آپ جمعہ کے دن غسل کو واجب سمجھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، لیکن یہ زیادہ پاکیزگی کا سبب ہے اور زیادہ بہتر ہے۔ جو شخص غسل نہ کرے، اس پر فرض نہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل کیسے شروع ہوا؟ لوگ کام میں انتہائی مصروف تھے، اون کے کپڑے پہنے کمر پر بوجھ اٹھاتے تھے۔ ان کی مسجد تنگ تھی اور اس کی چھت نیچی تھی اور وہ تھا بھی چھپر۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سخت گرمی والے دن تشریف لائے، لوگ اون کے کپڑوں میں پسینے سے شرابور تھے اور ان سے پسینے کی بدبو کے ببوکے اٹھ رہے تھے جس سے ایک دوسرے کو تکلیف ہو رہی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بدبو محسوس کی، تو فرمایا: لوگو! جب جمعہ کا دن ہو، تو غسل کر لیا کرو اور ہر شخص کے پاس جو تیل اور خوشبو ہو، لگا لیا کرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اچھے دن لے آیا، لوگوں نے اونی کپڑے پہننا چھوڑ دیے، ان کا کام بھی ہلکا ہو گیا، ان کی مسجد بھی وسیع ہو گئی اور پسینے کی وجہ سے جو ایک دوسرے کو تکلیف ہوتی تھی، وہ بھی تقریباً ختم ہو گئی۔''(سنن أبي داوٗد : 353، المعجم الكبير للطبراني : 219/11، شرح معاني الآثار للطحاوي : 116/1، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1755) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (280/1، 189/4) نے ''امام بخاری کی شرط پر صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس بارے

میں ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔(فتح الباري : 362/2)

⑩ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مِنَ السُّنَّةِ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ . ''جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے۔''

(مسند البزّار [كشف الأستار : 627]، وسندهٗ حسنٌ)

③ عیدین کا غسل :

① زاذان ابوعمر تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلَ رَجُلٌ عَلِيًّا عَنِ الْغُسْلِ، قَالَ : اغْتَسِلْ كُلَّ يَوْمٍ إِنْ شِئْتَ، فَقَالَ : لَا، الْغُسْلُ الَّذِي هُوَ الْغُسْلُ، قَالَ : يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَوْمَ عَرَفَةَ، وَيَوْمَ النَّحْرِ، وَيَوْمَ الْفِطْرِ .

''ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غسل کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: چاہو تو ہر روز غسل کر لیا کرو۔ اس نے عرض کیا: نہیں، وہ غسل جو شرعی غسل ہے۔ فرمایا: جمعہ کے دن، عرفہ کے دن، قربانی کے دن اور عید الفطر کے دن۔''(السنن الكبرٰى للبيهقي : 278/3، وسندهٗ حسنٌ)

② نافع تابعی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ النَّحْرِ، قَبْلَ أَنْ يَّغْدُوَ إِلَى الْمُصَلّٰى .

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قربانی والے دن عیدگاہ جانے سے پہلے غسل فرماتے تھے۔''(المؤطّأ للإمام مالك :177/1، وسندهٗ صحيحٌ)

④ یوم عرفہ کا غسل :

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یومِ عرفہ کے دن غسل کو مشروع قرار دیا ہے، جیسا کہ گزشتہ سے پیوستہ روایت میں بیان کیا جا چکا ہے۔

⑤ احرام باندھنے کا غسل :

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهٖ وَاغْتَسَلَ .

”انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے کپڑے اتار کر غسل فرمایا۔“(سنن الترمذي : 830، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔(الصحیح : 2595)

اس کا راوی عبداللہ بن یعقوب مدنی ”حسن الحدیث“ ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وَقَدِ اسْتَحَبَّ قَوْمٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الِاغْتِسَالَ عِنْدَ الْإِحْرَامِ، وَبِهٖ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ .

”اہل علم کا ایک گروہ احرام کے وقت غسل کو مستحب سمجھتا ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔“

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی أَنَّهٗ يُسْتَحَبُّ الْغُسْلُ عِنْدَ إِرَادَةِ الْإِحْرَامِ بِحَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ أَوْ بِهِمَا، سَوَاءٌ كَانَ إِحْرَامُهٗ مِنَ الْمِيقَاتِ

الشَّرْعِيّ أَوْ غَيْرِهِ .

''علماءِ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حج یا عمرہ یا دونوں کا اکٹھا احرام باندھتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔ چاہے احرام میقاتِ شرعی سے باندھا جائے یا کسی اور جگہ سے۔'' (المجموع شرح المهذّب : 212/3)

نیز حافظ ابن منذر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

أَجْمَعَ عَوَّامُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ الْإِحْرَامَ بِغَيْرِ غُسْلٍ جَائِزٌ، وَأَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ الْغُسْلَ لِلْإِحْرَامِ لَيْسَ بِوَاجِبٍ .

''اکثر اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ غسل کے بغیر احرام باندھنا جائز ہے اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ احرام کے لیے غسل فرض و واجب نہیں۔''

(المجموع شرح المهذّب : 212/7)

⑥ مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل :

❀ نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِذَا دَخَلَ أَدْنَى الْحَرَمِ أَمْسَكَ عَنِ التَّلْبِيَةِ، ثُمَّ يَبِيتُ بِذِي طُوًى، ثُمَّ يُصَلِّي بِهِ الصُّبْحَ، وَيَغْتَسِلُ، وَيُحَدِّثُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ .

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حرم کی حدود میں داخل ہوتے، تو تلبیہ سے رُک جاتے، پھر ذی طویٰ مقام پر رات گزارتے، پھر وہیں صبح کی نماز ادا

کرتے اور غسل کرتے۔ یہ بیان بھی کرتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''(صحيح البخاري : 1573، صحيح مسلم : 1259)

❁ نافع تابعی رحمہ اللہ ہی کا بیان ہے:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَنَا مِنْ مَكَّةَ؛ بَاتَ بِذِي طُوًى بَيْنَ الثَّنِيَّتَيْنِ، حَتّٰى يُصْبِحَ، ثُمَّ يُصَلِّي الصُّبْحَ، ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ الثَّنِيَّةِ الَّتِي بِأَعْلٰى مَكَّةَ، وَلَا يَدْخُلُ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا، حَتّٰى يَغْتَسِلَ، قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ، إِذَا دَنَا مِنْ مَّكَّةَ بِذِي طُوًى، وَيَأْمُرُ مَنْ مَّعَهٗ، فَيَغْتَسِلُونَ قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلُوا.

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ کے قریب پہنچتے،تو ذی طویٰ میں دو گھاٹیوں کے درمیان رات گزارتے، پھر صبح کی نماز پڑھتے، پھر اس گھاٹی سے داخل ہوتے، جو مکہ کی بالائی جانب ہے۔جب حج یا عمرہ کے لیے جا رہے ہوتے، تو مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طویٰ مقام پر غسل ضرور کرتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی حکم فرماتے اور وہ بھی مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کر لیتے تھے۔''(المؤطّأ للإمام مالك : 324/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ : الِاغْتِسَالُ عِنْدَ دُخُولِ مَكَّةَ مُسْتَحَبٌّ عِنْدَ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ، وَلَيْسَ فِي تَرْكِهٖ عِنْدَهُمْ فِدْيَةٌ، وَقَالَ أَكْثَرُهُمْ : يُجْزِئُ عَنْهُ الْوُضُوءُ.

”امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اہل علم کے نزدیک مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔اس کو ترک کرنے کی بنا پر ان کے نزدیک کوئی فدیہ لازم نہیں ہوتا اور اکثر اہل علم کے بقول اس غسل سے وضو کفایت کرتا ہے۔“(فتح الباري: 435/3)

⑦ میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل:

میت کو غسل دینے والے کے لیے بھی غسل کرنا مستحب ہے، جیسا کہ:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ».

”جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے اور جو میت کو کندھا دے، وہ وضو کرے۔“

(سنن الترمذي: 933، وقال: حسنٌ، سنن ابن ماجه: 1463، السنن الكبرٰى للبيهقي: 301/10، وصحّحه ابن حبان: 1161، وسندهٗ حسنٌ)

اس کے راوی سہیل بن ابی صالح کے متعلق حافظ منذری رحمہ اللہ (656ھ) لکھتے ہیں:

وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ. ”اسے جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔“

(الترغيب والترهيب: 110/3)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ثقہ“ قرار دیا ہے۔(المغني في الضعفاء: 455/1)

نیز فرماتے ہیں: وَثَّقَهُ نَاسٌ.

”اسے بہت سے لوگوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔“

(الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستّة: 327/2)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ» .

''جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے اور جو میت کو کندھا دے، وہ وضو کرے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 269/3، مسند الإمام أحمد : 433/2، 454، مسند الطيالسي : 305/2، الجعديات لأبي القاسم البغوي : 987,986/2، وسندهٗ حسنٌ)

مسند طیالسی وغیرہ میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَمَنْ حَمَلَ جَنَازَةً فَلْيَتَوَضَّأْ» .

''جو شخص جنازے کو اٹھائے، وہ وضو کرے۔''

صالح مولی التوأمہ، یعنی صالح بن نبہان مدنی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ'' ہے۔اس پر جرح اس وقت پر محمول ہے جب وہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔

امام علی بن مدینی (سؤالات محمد بن عثمان، ص : 87,86)، امام یحییٰ بن معین (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 56/4، وسندهٗ حسنٌ)، حافظ جوزجانی (الشجرة في أحوال الرجال، ص : 144) اور امام ابن عدی (الكامل : 58/4) رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ ابن ابو ذئب نے صالح مولی التوأمہ سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدِ اتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ الثِّقَةَ إِذَا تُمُيِّزَ مَا حَدَّثَ بِهٖ قَبْلَ اخْتِلَاطِهٖ مِمَّا بَعْدَهٗ، قُبِلَ .

''محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثقہ (مختلط) راوی کی اختلاط سے پہلے بیان کی ہوئی روایات اس وقت قابل قبول ہو جاتی ہیں جب وہ بعد والی روایات سے ممتاز ہو جائیں۔''(نتائج الأفکار : 268/2)

حافظ موصوف مذکورہ حدیث کے بارے میں خلاصۃً فرماتے ہیں:

وَفِي الْجُمْلَةِ هُوَ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ أَسْوَأُ حَالِهِ أَنْ يَّكُونَ حَسَنًا .

''الحاصل یہ حدیث اپنی بہت سی سندوں کے ساتھ کم ازکم حسن ہے۔''

(التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير :137/1، ح : 182)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ .

''جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے اور جو میت کو کندھا دے، وہ وضو کرے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 269/3، السنن الكبرٰى للبيهقي :302/1، وسندهٗ حسنٌ)

سنن کبریٰ بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں:

وَمَنْ مَّشٰى مَعَهَا فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يَقْضِيَ دَفْنَهَا .

''جو جنازے کے ساتھ جائے وہ اس کی تدفین مکمل ہونے تک نہ بیٹھے۔''

مذکورہ احادیث میں غسل کا حکم استحباب پر محمول ہے۔اسی طرح میت کی چارپائی اٹھانے والے شخص پر بھی وضو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے،جیسا کہ:

حافظ خطابی رحمہ اللہ (388ھ) فرماتے ہیں:

لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ الْفُقَهَاءِ يُوجِبُ الِاغْتِسَالَ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ،

وَلَا الْوُضُوءَ مِنْ حَمْلِهِ، وَيُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ الْأَمْرُ فِي ذٰلِكَ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ.

''میں فقہائے کرام میں سے کسی ایک بھی ایسے فقیہ سے واقف نہیں جو میت کو غسل دینے والے شخص پر غسل کو اور اسے کندھا دینے والے شخص پر وضو کو واجب قرار دیتا ہو۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ اس بارے میں (احادیث میں وارد) حکم استحباب پر محمول ہے۔'' (معالم السنن : 3/305)

یعنی اس مسئلہ میں جتنی بھی احادیث وارد ہیں، ان کے بارے میں سلف، یعنی صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا فیصلہ ہے کہ وہ ساری کی ساری استحباب پر محمول ہیں، جیسا کہ:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كُنَّا نُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فَمِنَّا مَنْ يَّغْتَسِلُ، وَمِنَّا مَنْ لَّا يَغْتَسِلُ.

''ہم (صحابہ) میت کو غسل دیا کرتے تھے، بعض غسل کر لیتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقي :1/306، وسندہٗ صحیحٌ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔ (التلخیص الحبیر :1/137)

② سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں:

مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا، فَأَصَابَهُ مِنْهُ شَيْءٌ؛ فَلْيَغْتَسِلْ، وَإِلَّا فَلْيَتَوَضَّأْ.

''اگر کسی شخص کو مردہ نہلاتے ہوئے اس سے کوئی گندگی لگ جائے، تو وہ غسل کرے، ورنہ وضو ہی کر لے۔''

(السنن الکبریٰ للبیہقي :1/306، وسندہٗ حسنٌ)

③ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ .

''جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کر لے۔''

(أيضًا :305/1، وسندہٗ صحيحٌ)

❁ آپ رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول بھی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوهُ، إِنَّ مَيِّتَكُمْ لَمُؤْمِنٌ طَاهِرٌ، وَلَيْسَ بِنَجَسٍ، فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيكُمْ .

''جب تم اپنے مُردوں کو غسل دیتے ہو، تو اس سے تمہارے لیے غسل فرض نہیں ہوتا، کیونکہ تمہارا مردہ مؤمن اور طاہر ہوتا ہے، نجس نہیں۔ لہٰذا تمہارے لیے اپنے ہاتھ دھو لینا ہی کافی ہے۔'' (أيضًا، 306/1، وسندہٗ حسنٌ)

❁ نیز فرماتے ہیں:

لَا تُنَجِّسُوا مَيِّتَكُمْ، يَعْنِي لَيْسَ عَلَيْهِ غُسْلٌ .

''اپنے مُردوں کو پلید نہ سمجھو، یعنی مُردے کو نہلانے والے پر غسل (فرض) نہیں ہوتا۔'' (مصنف ابن أبي شيبة : 267/3، وسندہٗ صحيحٌ)

❁ نیز جب آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ:

هَلْ عَلٰى مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا غُسْلٌ؟ (کیا مُردے کو غسل دینے والے پر غسل فرض ہے؟)، تو اس پر آپ نے فرمایا:

أَنَجَسْتُمْ صَاحِبَكُمْ؟ يَكْفِي فِيهِ الْوُضُوءُ .

''کیا تم اپنے مردے کو پلید سمجھتے ہو؟ مردے کو نہلانے والے کے لیے وضو کر لینا ہی کافی ہے۔'' (السنن الكبرٰى للبيهقي :305/1، وسندہٗ صحيحٌ)

④ نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

كُنَّا نُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فَيَتَوَضَّأُ بَعْضُنَا وَيَغْتَسِلُ بَعْضٌ، ثُمَّ يَعُودُ، فَنُكَفِّنُهُ، ثُمَّ نُحَنِّطُهُ، وَنُصَلِّي عَلَيْهِ، وَلَا نُعِيدُ الْوُضُوءَ.

''ہم میت کو غسل دیتے، پھر ہم میں سے کچھ لوگ وضو کرتے اور کچھ غسل کر لیتے تھے۔ پھر وہ لوٹتے تو ہم میت کو کفن دیتے، اسے خوشبو لگاتے اور اس کا جنازہ پڑھتے، ہم دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي :307,306/1، وسندهٗ صحيحٌ)

⑤ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب مؤمن مُردوں کو غسل دینے والے شخص پر غسل (فرض) ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ایسا نہیں ہے۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 268/3، وسندهٗ صحيحٌ)

⑥ عائشہ بنت سعد بیان کرتی ہیں:

أُوذِنَ سَعْدٌ بِجَنَازَةِ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَهُوَ بِالْبَقِيعِ، فَجَاءَ وَغَسَّلَهٗ، وَكَفَّنَهُ، وَحَنَّطَهُ، ثُمَّ أَتٰى دَارَهٗ، فَصَلّٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ، فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ قَالَ : إِنِّي لَمْ أَغْتَسِلْ مِنْ غُسْلِهٖ، وَلَوْ كَانَ نَجِسًا مَّا غَسَّلْتُهٗ، وَلٰكِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْحَرِّ.

''سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے جنازے کی اطلاع ملی تو وہ اس وقت بقیع میں تھے۔ آپ تشریف لائے، سعید رضی اللہ عنہ کو غسل دیا، ان کو کفن دیا، خوشبو لگائی، پھر گھر گئے، ان کا جنازہ ادا کیا، پھر پانی منگوا کر غسل کیا اور فرمایا: میں نے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو غسل دینے کی وجہ سے غسل نہیں کیا۔ اگر وہ نجس ہوتے

تو میں انہیں غسل ہی نہ دیتا۔ میں نے تو گرمی کی وجہ سے غسل کیا ہے۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 268/3، وسندهٗ صحيحٌ)

⑦ خزاعی بن زیاد کہتے ہیں:

أَوْصٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُغَفَّلٍ أَنْ لَّا يَحْضُرَهُ ابْنُ زِيَادٍ، وَأَنْ يَّلِيَنِي أَصْحَابِي، فَأَرْسَلُوا إِلٰى عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو وَّأَبِي بَرْزَةَ، وَأُنَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِهٖ، فَمَا زَادُوا عَلٰى أَنْ كَفُّوا أَكْمَامَهُمْ، وَجَعَلُوا مَا فَضَلَ عَنْ قُمُصِهِمْ فِي حُجَزِهِمْ، فَلَمَّا فَرَغُوا لَمْ يَزِيدُوا عَلَى الْوُضُوءِ .

’’سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت کی تھی کہ ابن زیاد ان کے جنازے پر حاضر نہ ہو، نیز ان کے ساتھی ان کے قریب آئیں۔ سیدنا عائذ بن عمرو، سیدنا ابو برزہ اور سیدنا ابن مغفل رضی اللہ عنہ کے دیگر ساتھیوں کی طرف پیغام بھیجا گیا۔ انہوں نے آ کر صرف یہ کیا کہ اپنی کفیں اوپر چڑھائیں اور ان کے قمیصوں کا جو کپڑا لٹک رہا تھا، اسے اپنے کمر بندوں میں ڈال لیا، پھر (غسل دینے سے) فراغت کے بعد صرف وضو کر لیا۔‘‘ (أيضا، وسندهٗ صحيحٌ)

⑧ ابو قلابہ تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ كَانَ إِذَا غَسَّلَ مَيِّتًا، اغْتَسَلَ .

’’جب وہ میت کو غسل دیتے تو خود بھی غسل کرتے۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 268/3، وسندهٗ صحيحٌ)

⑨ امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كَانُوا يَقُولُونَ : إِنْ كَانَ صَاحِبُكُمْ نَجِسًا، فَاغْتَسِلُوا مِنْهُ .

''لوگ (صحابہ کرام) کہا کرتے تھے کہ اگر تمہارا مردہ نجس ہے تو پھر اسے غسل دینے کی وجہ سے غسل کرلو۔'' (أيضًا، وسندهٗ صحيحٌ)

⑩ یونس بن عبید کہتے ہیں:

كَانَ الْحَسَنُ لَا يرٰى عَلَى الَّذِي يَغْسِلُ الْمَيِّتَ غُسْلًا .

''امام حسن بصری تابعی رحمہ اللہ میت کو غسل دینے والے پر غسل کو (فرض) خیال نہیں کرتے تھے۔'' (المطالب العالية لابن حجر :481، وسندهٗ صحيحٌ)

⑪ امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی:

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَّغْتَسِلَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا، وَيَتَوَضَّأَ مَنْ نَّزَلَ فِي حُفْرَتِهٖ حِينَ يُدْفَنُ، وَلَا وُضُوءَ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّنْ صَلّٰى عَلَيْهِ، وَلَا مِمَّنْ حَمَلَ جِنَازَتَهٗ، وَلَا مِمَّنْ مَّشٰى مَعَهَا .

''میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل کرنا اور دفن کے وقت قبر میں اترنے والے کے لیے وضو کرنا مسنون ہے۔ جنازہ پڑھنے والے، کندھا دینے والے اور جنازے کے ساتھ چلنے والے، کسی پر وضو (واجب) نہیں۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي :303/1، وسندهٗ صحيحٌ)

⑫ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي الَّذِي يُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ : إِذَا غَسَّلَ مَيِّتًا؛ فَعَلَيْهِ الغُسْلُ، وقَالَ بَعْضُهُمْ : عَلَيْهِ الوُضُوءُ، وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ : أَسْتَحِبُّ الغُسْلَ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ، وَلَا

أَرٰى ذٰلِكَ وَاجِبًا، وَهٰكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ، وَقَالَ أَحْمَدُ : مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا أَرْجُو أَنْ لَّا يَجِبَ عَلَيْهِ الغُسْلُ، وَأَمَّا الوُضُوءُ؛ فَأَقَلُّ مَا قِيلَ فِيهِ، وقَالَ إِسْحَاقُ : لَا بُدَّ مِنَ الْوُضُوءِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهٗ قَالَ : لَا يَغْتَسِلُ وَلَا يَتَوَضَّأُ مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ .

''مردے کو نہلانے والے (پر غسل) کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ صحابہ کرام وغیرہ پر مشتمل بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جب کوئی میت کو غسل دے تو اس پر بھی غسل ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس پر وضو ہے۔ امام مالک بن انس فرماتے ہیں کہ میں مردے کو نہلانے والے کے لیے غسل کو مستحب سمجھتا ہوں، واجب نہیں۔ امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ میرے خیال میں میت کو غسل دینے والے پر غسل فرض نہیں، البتہ اسے کم از کم وضو کا کہا گیا ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اس کے لیے وضو ضروری ہے، جبکہ امام عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ اسے نہ غسل کرنے کی ضرورت ہے نہ وضو کرنے کی۔'' (سنن الترمذي، تحت الحديث : 993)

⑧ دو مجامعتوں کے درمیان غسل :

سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَائِهٖ، يَغْتَسِلُ عِنْدَ هٰذِهٖ وَعِنْدَ هٰذِهٖ، قَالَ : قُلْتُ لَهٗ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَا تَجْعَلُهٗ غُسْلًا وَّاحِدًا ؟ قَالَ : «هٰذَا أَزْكٰى وَأَطْيَبُ وَأَطْهَرُ» .

''نبی اکرم ﷺ نے ایک دن اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس گئے۔سب کے پاس آپ ﷺ نے غسل فرمایا۔میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے ایک ہی دفعہ غسل کیوں نہیں کرلیا؟ فرمایا: ہر دفعہ غسل کرنا زیادہ پاکیزگی اور زیادہ طہارت کا سبب ہے۔''

(سنن أبي داوٗد: 219، سنن ابن ماجه: 590، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کی راویہ سلمٰی کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات: 184/3) نے ''ثقہ'' کہا ہے۔امام حاکم رحمہ اللہ (مستدرک: 311/2) نے اس کی ایک حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔لہٰذا اس کی حدیث کم از کم ''حسن'' ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَجْمَعُوا عَلٰی أَنَّ الْغُسْلَ بَيْنَهُمَا لَا يَجِبُ .

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ دو دفعہ مجامعت کے درمیان غسل کرنا فرض نہیں۔'' (فتح الباري: 376/1)

⑨ مستحاضہ کے لیے غسل:

مستحاضہ کے لئے انقطاعِ حیض کے بعد غسل کرنا فرض ہے۔اس غسل کے علاوہ اس پر کوئی غسل ضروری نہیں، البتہ:

ہر نماز کے لیے غسل:

اس کے لیے ہر نماز کے لئے غسل کرنا مشروع ومستحب ہے، جیسا کہ:

❀ ام المومنین، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِي كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ

عَوْفٍ، وَأَنَّهَا اسْتُحِيضَتْ لَا تَطْهُرُ، فَذُكِرَ شَأْنُهَا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، وَلٰكِنَّهَا رَكْضَةٌ مِّنَ الرَّحِمِ، فَلْتَنْظُرْ قَدْرَ قُرْئِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ لَهَا، فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ، ثُمَّ تَنْظُرْ مَا بَعْدَ ذٰلِكَ، فَلْتَغْتَسِلْ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ».

''سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ امِ حبیبہ بنتِ جحش استحاضہ میں مبتلا رہتی تھیں اور پاک نہیں ہوتی تھیں۔ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حیض کا خون نہیں بلکہ رحم کی ایک رگ کا خون ہے۔وہ استحاضہ شروع ہونے سے پہلے والے حیض کے دنوں کو شمار کر کے ان میں نماز چھوڑ دیں، اگر اس کے بعد بھی خون دیکھیں، تو ہر نماز کے لئے غسل کر لیں۔''

(سنن النسائي :209، مسند الإمام أحمد : 128/6، شرح معاني الآثار للطحاوي : 198/1، السنن الکبرٰی للبیهقي :349/1، وسندهٗ صحیحٌ)

صحیح بخاری (327) و صحیح مسلم (63/334) میں ہے:

فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ.

''وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔''

دو نمازوں کے لیے ایک غسل :

مستحاضہ ظہر و عصر کے لئے ایک، مغرب و عشا کے لئے ایک اور فجر کے لئے ایک

غسل کر سکتی ہے۔اس مستحب غسل کی صورت میں وہ جمع صوری کرے گی۔اس طرح کہ ظہر کو اس کے آخری وقت میں ادا کرے گی اور جونہی ظہر کا وقت ختم ہو گا اور عصر کا وقت شروع ہو گا، وہ نمازِ عصر ادا کر لے گی۔حقیقتاً ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا ہو گی، جبکہ صورتاً دونوں جمع ہو جائیں گی۔اسی طرح مغرب وعشا کی نمازوں کو ادا کرے گی۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا بیان ہے:

اُسْتُحِيضَتِ امْرَأَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُمِرَتْ أَنْ تُعَجِّلَ الْعَصْرَ وَتُؤَخِّرَ الظُّهْرَ، وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا، وَأَنْ تُؤَخِّرَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلَ الْعِشَاءَ، وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا، وَتَغْتَسِلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ غُسْلًا .

''عہدِ رسالت میں ایک عورت کو استحاضہ کا خون آیا، اسے یہ حکم دیا گیا کہ عصر کی نماز کو مقدم اور نماز ظہر کو مؤخر کر کے ان دونوں کے لئے ایک ہی غسل کر لے، نماز مغرب کو موخر اور نماز عشا کو مقدم کر کے ان دونوں کے لئے ایک غسل کر لے اور نماز فجر کے لئے ایک غسل کر لے۔''

(سنن أبي داوٗد : 294، سنن النسائي : 214، وسندہٗ صحیحٌ)

بغیر غسل کے نماز ادا کرنا بھی جائز ہے۔البتہ غسل کر لینا مشروع اور مستحب ہے۔

(10) مشرک کو دفن کرنے والے کے لیے غسل :

خلیفہ راشد، سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا تُوُفِّيَ أَبِي؛ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ : إِنَّ عَمَّكَ قَدْ تُوُفِّيَ، قَالَ : «اذْهَبْ فَوَارِهِ»، قُلْتُ : إِنَّهٗ مَاتَ مُشْرِكًا،

قَالَ : «اذْهَبْ فَوَارِهِ، وَلَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتّٰى تَأْتِيَنِي»، فَفَعَلْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَأَمَرَنِي أَنْ أَغْتَسِلَ .

''جب میرے والد کی وفات ہوئی،تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اورعرض کیا: آپ کے چچا وفات پا گئے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: جائیے اور انہیں دفن کیجیے۔میں نے عرض کیا: وہ تو شرک کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔آپ ﷺ نے پھر فرمایا: جائیے اور انہیں دفن کیجیے لیکن میرے پاس واپس آنے تک کوئی اور کام نہ کیجیے۔میں فارغ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،تو آپ ﷺ نے مجھے غسل کا حکم فرمایا۔''

(مسند أبي داوٗد الطيالسي، ص : 19، ح : 120، وسندهٗ حسنٌ متّصل)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ عَمَّكَ قَدْ مَاتَ، أَوْ أَبِي قَدْ مَاتَ، قَالَ : «اذْهَبْ فَوَارِهِ»، قُلْتُ : إِنَّهٗ مَاتَ مُشْرِكًا، قَالَ : «اذْهَبْ فَوَارِهِ»، فَوَارَيْتُهٗ، ثُمَّ أَتَيْتُهٗ، قَالَ : «اذْهَبْ فَاغْتَسِلْ» .

''میں نے عرض کیا: آپ کے چچا یا میرے والد فوت ہو گئے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: جائیے اور انہیں دفن کر دیجیے۔میں نے عرض کیا: وہ تو شرک کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: جائیے اور انہیں دفن کیجیے۔ میں نے انہیں دفن کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،تو آپ ﷺ نے فرمایا: جا کر غسل کر لیجیے۔''(مسند الإمام أحمد : 97/1، سنن أبي داوٗد : 3214، سنن النسائي : 190، 2008، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (كما في الإصابة لابن حجر : 114/7) اور امام ابن جارود (550) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

(11) غشي کے بعد غسل :

عبداللہ بن عتبہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ : أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ مَّرَضِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَتْ : بَلٰى، ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : «أَصَلَّى النَّاسُ؟» قُلْنَا : لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، قَالَ : «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ»، قَالَتْ : فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ ...

''میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں نہیں بتائیں گی؟ انہوں نے فرمایا : کیوں نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، تو استفسار فرمایا : کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا : نہیں، وہ تو آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا : میرے لیے برتن میں پانی ڈالیے۔ ہم نے ایسا کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔ تین دفعہ اسی طرح ہوا۔۔'' (صحيح البخاري : 687، صحيح مسلم : 418)

اس سے ثابت ہوا کہ غشی کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

مباح غسل :

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ باقی غسل کی باقی تمام صورتیں مباح اور جائز ہے۔
ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلامی احکام کے مطابق طہارت و نظافت کا پورا خیال رکھے۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جواز اور منع دونوں طرح کی احادیث ثابت ہیں۔ آیئے دونوں طرح کی احادیث کا فہمِ سلف کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں تاکہ ان سے کھڑے ہو پانی وغیرہ پینے کا صحیح حکم معلوم ہو سکے۔

جواز کی احادیث :

① (ا) نزال بن سبرہ ہلالی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

أَتٰى عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى بَابِ الرَّحَبَةِ، فَشَرِبَ قَائِمًا، فَقَالَ : إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُ أَحَدُهُمْ أَنْ يَّشْرَبَ وَهُوَ قَائِمٌ، وَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ، كَمَا رَأَيْتُمُونِي فَعَلْتُ .

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ باب الرحبہ پر آئے، وہاں کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا : کچھ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن میں نے نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے، جیسے آپ لوگوں نے مجھے کرتے دیکھا ہے۔“

(صحیح البخاري : 5615)

(ب) زاذان رحمہ اللہ کا بیان ہے :

إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ شَرِبَ قَائِمًا، فَنَظَرَ إِلَيْهِ النَّاسُ كَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوهُ، فَقَالَ : مَا تَنْظُرُونَ؟ إِنْ أَشْرَبْ قَائِمًا؛ فَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا، وَإِنْ أَشْرَبْ قَاعِدًا، فَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَاعِدًا .

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا، تو لوگوں نے ان کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا، گویا اس عمل کو غلط سمجھ رہے ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا دیکھ رہے ہو، اگر میں کھڑے ہو کر پیتا ہوں، تو اس لیے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا ہے اور اگر میں بیٹھ کر پیتا ہوں، تو اس لیے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر پیتے دیکھا ہے۔“

(مسند الإمام أحمد :1/101، ح : 795، وسندهٗ حسنٌ)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

سَقَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ، فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ .

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آبِ زمزم پیش کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔“

(صحيح البخاري : 5617، صحيح مسلم : 2027، واللفظ لهٗ)

③ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا .

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر، دونوں طرح پیتے ہوئے دیکھا۔“(مسند الإمام أحمد : 2/178، 179، 206، سنن الترمذي : 1883، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح'' قرار دیا ہے۔

④ یزید بن عطارد تابعی بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ ابْنَ عُمَر عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا، فَقَالَ : قَدْ كُنَّا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشْرَبُ قِيَامًا، وَنَأْكُلُ وَنَحْنُ نَسْعٰى .

''میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کھڑے ہو کر پینے کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا : یقیناً ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں کھڑے ہو کر پی لیتے اور چلتے ہوئے کھا لیتے تھے۔''

(مسند الإمام أحمد : 12/2، 24، 29، مسند الطيالسي : 1904، شرح معاني الآثار للطحاوي : 273/4، 274، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (5243) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

⑤ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا .

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے اور بیٹھے دونوں حالتوں میں پیتے ہوئے دیکھا۔'' (سنن النسائي : 1362، وسندهٗ حسنٌ)

⑥ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى أُمِّ سُلَيْمٍ، وَفِي الْبَيْتِ قِرْبَةٌ مُّعَلَّقَةٌ، فَشَرِبَ مِنْ فِيهَا وَهُوَ قَائِمٌ، قَالَ : فَقَطَعَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَ الْقِرْبَةِ، فَهُوَ عِنْدَنَا .

''نبی اکرم ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر آئے۔گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر مشکیزے کے منہ سے پانی پیا۔سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے (بطورِتبرک) مشکیزے کا منہ کاٹ لیا،وہ ابھی تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 431/6، شمائل الترمذي : 215، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود رحمہ اللہ (868) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑦ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، وَفِي الْبَيْتِ قِرْبَةٌ مُّعَلَّقَةٌ، فَاخْتَنَثَهَا، وَشَرَبَ وَهُوَ قَائِمٌ.

''نبی اکرم ﷺ ایک انصاری صحابیہ کے گھر تشریف لے گئے۔وہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔آپ ﷺ نے اس کا منہ کھولا اور کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا۔''(مسند الإمام أحمد : 161/6، وسندهٗ حسنٌ)

⑧ سیدہ کبشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَرِبَ مِنْ فِي قِرْبَةٍ مُّعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلٰى فِيهَا، فَقَطَعْتُهٗ.

''رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور لٹکے ہوئے مشکیزے سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔میں نے مشکیزے کے منہ کو کاٹ کر محفوظ کر لیا۔''

(مسند الحميدي : 353، سنن الترمذي : 1892، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح غریب''،جبکہ امام ابن جارود (867)، امام ابن حبان (5318) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑨ ابو جعفر قاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَشْرَبُ قَائِمًا .

''میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کھڑے ہو کر پیتے ہوئے دیکھا۔''

(المؤطّأ للإمام مالك : 926/2، وسندہٗ صحيحٌ)

⑩ عامر بن عبد اللہ تابعی رحمہ اللہ، سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا . ''آپ کھڑے ہو کر پی لیتے تھے۔''

(المؤطّأ للإمام مالك : 926/2، وسندہٗ صحيحٌ)

⑪ مسلم بن ابو بکرہ تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

شَرِبَ أَبُو بَكْرَةَ قَائِمًا .

''سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا۔''

(التاريخ الكبير للبخاري : 354/2، وسندہٗ حسنٌ)

⑫ بشر بن غالب کا بیان ہے:

رَأَيْتُ الْحَسَنَ (بْنَ عَلِيٍّ) يَشْرَبُ، وَهُوَ قَائِمٌ .

''میں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو کھڑے ہو کر پیتے ہوئے دیکھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 205/8، وسندہٗ حسنٌ)

⑬ عباد بن منصور بیان کرتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ سَالِمًا يَشْرَبُ وَهُوَ قَائِمٌ .

''میں نے سالم تابعی رحمہ اللہ کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 203/8، وسندہٗ حسنٌ)

⑭،⑮ عبدالملک بن میسرہ کا بیان ہے:

سَأَلْتُ طَاوُسًا وَسَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا، فَلَمْ يَرَيَا بِهٖ بَأْسًا .

''میں نے امام طاؤس اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ سے کھڑے ہو کر پینے کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے اس میں کوئی حرج خیال نہیں کیا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 204/8، وسندهٗ صحيحٌ)

⑯ عبدالرحمٰن بن عجلان کہتے ہیں:

سَأَلْتُ إِبْرَاهِيمَ عَنْهُ، فَقَالَ : لَا بَأْسَ بِهٖ، إِنْ شِئْتَ قَائِمًا، وَإِنْ شِئْتَ قَاعِدًا .

''میں نے امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ چاہو تو کھڑے ہو کر پیو اور چاہو تو بیٹھ کر۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 203/8، وسندهٗ حسنٌ)

ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پینا ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عمل مبارک کی روشنی میں صحابہ کرام بھی دونوں طرح پینا جائز سمجھتے تھے۔ تابعین ائمہ دین بھی کھڑے ہو کر پینے کو جائز ہی سمجھتے تھے۔

منع کی احادیث :

آیئے اب وہ احادیث ملاحظہ فرمایئے جن میں کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت ہے:

① (أ) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ نَهٰى أَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا .

”آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا۔“ (صحیح مسلم : 2024)

(ب) سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے :

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا .

”نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے ڈانٹا ہے۔“

(صحیح مسلم : 112/2024)

② (ا) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے :

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا .

”بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی کھڑا ہو کر پیے۔“

(مسند الإمام أحمد : 327/2، وسندہٗ صحیحٌ)

(ب) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

«لَا يَشْرَبَنَّ أَحَدُكُمْ قَائِمًا، فَمَنْ نَسِيَ؛ فَلْيَسْتَقِئْ» .

”تم میں سے کوئی کھڑا ہو کر نہ پیے۔ جو بھول کر ایسا کر بیٹھے، وہ قے کرے۔“

(صحیح مسلم : 2026)

③ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَجَرَ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا .

”نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے ڈانٹا ہے۔“

(صحیح مسلم : 2025)

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں :

إِنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا يَّشْرَبُ قَائِمًا، فَقَالَ لَهٗ : قِهْ، قَالَ : لِمَهْ ؟ قَالَ :

أَيَسُرُّكَ أَنْ يَّشْرَبَ مَعَكَ الْهِرُّ ؟ قَالَ : لَا، قَالَ : «فَإِنَّهُ قَدْ شَرِبَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِّنْهُ، الشَّيْطَانُ» .

''آپ ﷺ نے ایک شخص کو کھڑے ہو کر پیتے دیکھا، تو اسے فرمایا: قے کر دیجیے۔ اس نے عرض کیا: کیوں؟ فرمایا: کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ بِلّا پیے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اس کی نسبت بہت بُرے نے آپ کے ساتھ پیا ہے۔ وہ شیطان ہے۔''

(مسند الإمام أحمد: 301/2، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کا راوی ابو زیاد طحان ''موثق، حسن الحدیث'' ہے۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اسے ''ثقہ'' اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے ''شیخ صالح الحدیث'' قرار دیا ہے۔

امام شعبہ رحمہ اللہ جو غالباً ''ثقہ'' ہی سے روایت لیتے ہیں، وہ اس حدیث کو ابو زیاد سے بیان کر رہے ہیں۔

فائدہ ① :

ایک روایت میں ہے:

«لَو يَعْلَمُ الَّذِي يَشْرَبُ وَهُوَ قَائِمٌ؛ لَاسْتَقَاءَ» .

''اگر کھڑا ہو کر پانی پینے والا جان لے (کہ اس میں کتنا نقصان ہے)، تو ضرور قے کر ڈالے۔'' (مسند الإمام أحمد: 283/2، صحيح ابن حبّان: 5324)

لیکن اس کی سند امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

فائدہ ② :

علامہ، ابو عبد اللہ، محمد بن علی بن عمر، مازری (م: 536ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ فِي جَوَازِ الْأَكْلِ قَائِمًا .

''کھڑے ہوکر کھانے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔''

(فتح الباري لابن حجر :23/10)

ممانعت والي احاديث منسوخ يا تنزيه پر محمول هيں:

رسول اللہ ﷺ کا کھڑے ہوکر پینا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کھڑے ہوکر پینے کو آپ ﷺ کی سنت بتانا اور خود کھڑے ہوکر پینا بھی، نیز تابعین وائمہ دین کا اسے جائز بتانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جن احادیث میں کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا گیا ہے، وہ یا تو منسوخ ہیں یا ان سے مراد نہی تنزیہی ہے، یعنی کھڑے ہوکر پانی پینا بہتر نہیں، البتہ کوئی پی لے، تو گناہ گار نہیں ہوگا، جیسا کہ:

❁ امام احمد بن حسین، بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) احادیث میں کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

إِمَّا أَنْ يَّكُونَ نَهْيَ تَنْزِيهٍ، أَوْ نَهْيَ تَحْرِيمٍ، ثُمَّ صَارَ مَنْسُوخًا .

''یا تو یہ ممانعت تنزیہی ہے یا پھر تحریمی ہے جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔''

(السنن الكبرٰى : 282/7)

❁ علامہ، ابوعبداللہ، محمد بن علی بن عمر، مازری (م:536ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الْأَمْرَ فِي حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ بِالِاسْتِقَاءِ؛ لَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي أَنَّهُ لَيْسَ عَلٰى أَحَدٍ أَنْ يَّسْتَقِيءَ .

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کھڑے ہوکر پانی پینے والے کو قے کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کے بارے میں اہل علم کا اتفاق ہے کہ ایسا کرنا کسی پر

فرض نہیں۔''(فتح الباري لابن حجر : 10/82، 83)

محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں:

لَا نَرٰی بِالشُّرْبِ قَائِمًا بَأْسًا، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا.

''ہم کھڑے ہوکر پینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔امام ابوحنیفہ اور ہمارے اکثر فقہا کا یہی قول ہے۔''(المؤطّأ لمحمّد بن حسن، ص : 375)

علامہ،عبدالحیٔ،لکھنوی،حنفی (1264-1304ھ) لکھتے ہیں:

وَالْحَقُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَلٰى مَا ذَكَرَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالنَّوَوِيُّ وَالْقَارِيُّ وَالسُّيُوطِيُّ وَغَيْرُهُمْ؛ أَنَّ النَّهْيَ لِلتَّنْزِيهِ، وَالْفِعْلُ لِبَيَانِ الْجَوَازِ.

''اس مسئلے میں حق بات وہی ہے جو امام بیہقی،نووی،(ملا علی) قاری،سیوطی وغیرہ نے ذکر کی ہے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے اور آپ ﷺ کا کھڑے ہوکر پینا بیانِ جواز کے لیے تھا۔''(التعليق الممجّد على مؤطّأ محمّد، ص : 375)

معلوم ہوا کہ بیٹھ کر پینا اولیٰ اور بہتر ہے،جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ کو پلانے کے لیے دودھ کا پیالہ دیا، جب پلا چکے،تو فرمایا:

اُقْعَدْ، فَاشْرَبْ. ''بیٹھیے اور نوش کیجیے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: فَقَعَدْتُّ، فَشَرِبْتُ.

''چنانچہ میں نے بیٹھ کر دودھ پیا۔''(صحيح البخاري : 6452)

لیکن کھڑے ہوکر پینا حرام نہیں، بلکہ جائز ہے۔اسے گناہ سمجھنا یا اسے آبِ زمزم کے ساتھ خاص کرنا نصوصِ شرعیہ اور صحابہ وتابعین وائمہ دین کے فہم کے سراسر خلاف ہے۔

قسطوں کے کاروبار کی شرعی حیثیت

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ ایک ایسا ضابطہ حیات ہے، جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ معاشی جدوجہد جو انسانوں کی ایک بنیادی ضرورت ہے، اس کے حوالے سے بھی اسلام نے ہر ہر قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے کاروبار کو جائز و مباح اور حرام و ممنوع میں تقسیم کر کے ہر فرد کو معاشی استحصال سے محفوظ کیا ہے۔ اگر معیشت کے اسلامی اصولوں کو اپنا لیا جائے، تو لین دین میں ہر قسم کے فساد اور نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔

خریدی گئی چیز کی قیمت قسطوں میں ادا کرنا ''بیع تقسیط'' کوئی نیا طریقۂ کاروبار نہیں، لیکن عصر حاضر میں اس کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کی کثیر تعداد تنخواہ دار طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسے لوگ مہنگی ضروریاتِ زندگی کی قیمت یکمشت ادا نہیں کر سکتے، لہٰذا وہ قسطوں کی صورت میں خریداری ہی کو اپنے مسائل کا بہترین حل سمجھتے ہیں۔

موجودہ دَور کے معتبر اہل علم اس حوالے سے مختلف رائے رکھتے ہیں؛ اکثر تو اسے جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ کچھ اہل علم نقد و ادھار کی قیمت میں فرق کو سود کی مد میں شامل کر کے اسے ناجائز و حرام کہتے ہیں۔

اس مختصر مضمون میں ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں اس کاروبار کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا واقعی سود کی ایک صورت ہونے کی بنا

پر ممنوع وحرام ہے؟ کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم فریقین کے دلائل کا موازنہ کریں۔ یقیناً دونوں قسم کے اہل علم نے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اپنی پوری اجتہادی صلاحیتیں صرف کرتے ہوئے فیصلہ کیا، لہٰذا وہ اس فیصلے کے صحیح ہونے پر اللہ کے ہاں دوہرے اور غلط ہونے پر اکہرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔ لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ فریقین کے دلائل کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھ کر صحیح فیصلے تک پہنچنے کی جستجو کریں اور اس سارے عمل کو خوفِ الٰہی اور عدل و انصاف کے سائے میں سرانجام دیں۔ جو شخص اس مرحلے میں تعصب و ہٹ دھرمی کا شکار ہو جاتا ہے، وہ جو بھی موقف اپنائے، اللہ کے ہاں مجرم ہی ٹھہرتا ہے۔

ایک محقق کو تحقیق پیش کرتے وقت کبھی بھی قارئین کی پسند و ناپسند کا دھیان نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کی اصل قوت اس کے قارئین کی تعداد نہیں، بلکہ اس کا اصل سرمایہ اپنی بے لاگ تحقیق ہے۔ الحمد للہ! ہمارا یہی طرۂ امتیاز ہے۔ قارئین کرام کو بھی چاہیے کہ وہ دلائل ہی کی بنا پر اپنی پسند و ناپسند کا فیصلہ کیا کریں۔ ان کا یہی فرض ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دُعا کرتے ہوئے اس سلسلے میں قرآن و سنت کو سلف صالحین، یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین کے فہم کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صراطِ مستقیم کو پانے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ ہمارے اسلاف نے اسی طرف ہماری رہنمائی کی ہے، جیسا کہ:

شیخ الاسلام، احمد بن عبدالحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَإِذَا افْتَقَرَ الْعَبْدُ إِلَى اللّٰهِ وَدَعَاهُ، وَأَدْمَنَ النَّظَرَ فِي كَلَامِ اللّٰهِ، وَكَلَامِ رَسُولِهِ، وَكَلَامِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ؛ انْفَتَحَ لَهٗ طَرِيقُ الْهُدٰى .

”جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طالب اور دُعا گو ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم، احادیثِ رسول اور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے فتاویٰ جات کا گہرا مطالعہ کرلے، تو اس کے لیے راہِ ہدایت کھل جاتی ہے۔“

(مجموع الفتاویٰ : 118/5)

آیئے اسی رَوش کو اپناتے ہوئے دیانتداری کے ساتھ فریقین کے دلائل کا تقابل کرتے ہیں :

مجوّزین کی اکلوتی دلیل

کاروبار میں اصل اباحت :

خرید و فروخت ان امور میں داخل ہے، جن میں اصل جواز ہے۔یعنی اگر شریعتِ اسلامیہ کاروبار کے کسی معاملے کو منع نہیں کرتی، تو وہ حلال ہی ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم :

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرة 2 : 275)

”اللہ تعالیٰ نے کاروبار کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“

اس آیتِ کریمہ میں بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔سود کی صورتیں شریعت نے بیان کر دی ہیں۔نقد و ادھار کے فرق کو شریعت نے حرام یا سود قرار نہیں دیا، اس لیے یہ جائز ہے۔

❁ اسی بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُونَ أَشْيَاءَ وَيَتْرُكُونَ أَشْيَاءَ تَقَذُّرًا، فَبَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ وَأَنْزَلَ كِتَابَهٗ، وَأَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ، فَمَا أَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مَعْفُوٌّ .....

''اہل جاہلیت کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل کی۔ اپنے (نزدیک) حلال کو حلال اور اپنے (نزدیک) حرام کو حرام قرار دیا۔ تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا، وہ حلال اور جس کو اس نے حرام قرار دیا، وہ حرام ہے اور جس سے اس نے خاموشی اختیار کی، وہ معاف (حلال) ہے۔۔۔''

(سنن ابی داوٗد: 3800، وسندهٗ صحيحٌ، وقال الحاكم [115/4]: صحيح الإسناد)

اجماعِ امت:

❁ شیخ الاسلام، امام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) سے اس سلسلے میں سوال ہوا، تو انہوں نے کیا جواب دیا، ملاحظہ فرمائیں:

وَسُئِلَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْ رَّجُلٍ مُّحْتَاجٍ إِلٰى تَاجِرٍ، عِنْدَهٗ قُمَاشٌ، فَقَالَ: أَعْطِنِي هٰذِهِ الْقِطْعَةَ، فَقَالَ التَّاجِرُ: مُشْتَرَاهَا بِثَلَاثِينَ، وَمَا أَبِيعُهَا إِلَّا بِخَمْسِينَ إِلٰى أَجَلٍ، فَهَلْ يَجُوزُ ذٰلِكَ أَمْ لَا؟

فَأَجَابَ: الْمُشْتَرِي عَلٰى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ؛ أَحَدُهَا أَنْ يَّكُونَ مَقْصُودُهُ السِّلْعَةَ يَنْتَفِعُ بِهَا لِلْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَاللُّبْسِ وَالرُّكُوبِ وَغَيْرِ

ذٰلِكَ، وَالثَّانِي أَنْ يَّكُونَ مَقْصُودُهُ التِّجَارَةَ فِيهَا، فَهٰذَانِ نَوْعَانِ جَائِزَانِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ .

''آپ رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جسے ایسے تاجر کی احتیاج ہوئی، جس کے پاس کپڑا تھا۔اس نے کہا: مجھے کپڑے کا یہ ٹکڑا دے دو تاجر کہنے لگا: اس کی موجودہ قیمت تو تیس ہے،لیکن میں اسے ادھار پر پچاس میں بیچوں گا۔یہ معاملہ جائز ہوگا یا نہیں؟ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جواب دیا: خریدار تین قسم کا ہوسکتا ہے؛ایک وہ جس کا مقصود چیز لے کر اس سے کھانے، پینے، پہننے اور سواری وغیرہ کا فائدہ حاصل کرنا ہو۔دوسرا وہ جس کا مقصود چیز حاصل کر کے اس میں تجارت کرنا ہو۔مذکورہ صورت میں یہ دونوں قسم کے معاملے کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی روشنی میں جائز ہیں۔''

(مجموع الفتاوٰی: 29/498-499)

اگر سلف صالحین میں سے کسی سے بھی ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو سود ثابت کر دیا جائے، تو یہ دعویٔ اجماع ختم ہو جائے گا، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ اسلافِ امت اس کے جواز پر متفق تھے، کیونکہ آئندہ بحث میں بہت سے اسلاف سے بالصراحت اس کا جواز ثابت کیا جائے گا۔

فریقِ اوّل کے مطابق فریق ثانی نقد و ادھار کے فرق کے سود ہونے کی جو دلیل پیش کرتا ہے، وہ اس بارے میں صریح نہیں۔اس کا تعلق نقد و ادھار کے فرق کی ایک خاص نوع سے ہے، جس کو فریق اوّل بھی سود ہی کہتا ہے۔قارئین اس کی تفصیل مانعین کے دلائل میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

فریقِ اوّل کے محققین اگرچہ اور بہت سی دلیلیں ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ یا تو موضوع سے خارج ہوتی ہیں، یا پھر انہیں بطورِ دلیل ذکر کرنا مناسب نہیں ہوتا، کیونکہ وہ صرف اور صرف بطورِ تائید ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت کی دلیل ہی فریقِ اوّل کے لیے کارگر ہے، الا یہ کہ فریقِ ثانی نقد وادھار کے فرق کو سود ثابت کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا، تو اصل اباحت والی دلیل بھی بے کار ہو جائے گی اور دیگر تائیدات بھی۔ بصورتِ دیگر نقد وادھار کے فرق کے جواز پر صرف اصل اباحت ہی کافی دلیل ہو گی۔

ملاحظہ : قیمت کے تعیّن میں مدت کا عمل دخل :

فریقِ اوّل کی دلیل تو یہی ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت ہے، لیکن بطورِ تائید جو بہت سی باتیں ان کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں، ان میں سے مشہور ترین بات ہم یہاں ذکر کیے دیتے ہیں۔ فریقِ اوّل کا کہنا ہے کہ قیمت کے تعین میں ادائیگی کے وقت کا عمل دخل خود اسلامی شریعت نے روا رکھا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے:

بیع سلف / سلم : اس کی ایک مثال بیع سلف ہے، جسے بیع سلم بھی کہتے ہیں۔ اس میں خریدار معینہ مدت، جو کہ بسا اوقات کئی سال پر محیط ہوتی ہے، پہلے ہی قیمت ادا کر دیتا ہے اور بعد میں چیز حاصل کرتا ہے۔ اس طرح مروّجہ قیمت سے کم معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اگر کسی کو اسی وقت اسی قیمت پر وہی چیز میسر ہو، تو وہ دو، تین سال بعد لینے پر کیونکر رضامند ہو گا، نیز اگر اسے دو، تین سال بعد بھی اسی قیمت پر چیز مہیا ہو، تو وہ پیشگی ادائیگی کیوں کرے گا؟

بیع سلف میں ادھار بیچنے والے کی طرف سے ہوتا ہے، جبکہ قسطوں میں ادھار خریدنے والے کی جانب سے ہوتا ہے۔ بیع سلف میں خریدنے والا فائدے میں نظر آتا

ہے، جبکہ قسطوں میں بیچنے والا۔ حقیقت میں دونوں طریقوں میں دونوں فریق ہی اپنے فائدے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

بیع سلف رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں رائج تھی اور آپ ﷺ نے اس کی توثیق کی، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ، فَفِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَّعْلُومٍ، إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ».

''نبی اکرم ﷺ جب (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے، تو وہاں کے لوگ کھجوروں میں دو، تین سال تک کی بیع سلف کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی چیز میں بیع سلف کرنا چاہتا ہے، وہ طے شدہ ماپ یا وزن کی طے شدہ مدت تک بیع کرے۔''

(صحيح البخاري: 2240، صحيح مسلم: 1604)

یعنی اگر مدت کے حساب سے چیز کی مقدار اور قیمت مقرر کر کے معاملہ طے کر لیا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بیع تقسیط میں بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

جب خریدار پیشگی رقم دے کر زیادہ سودا لینے کا مستحق ہو سکتا ہے، تو دوکاندار پیشگی چیز دے کر زیادہ قیمت لینے کا مستحق کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قیمت میں زیادتی سود ہے، تو پیشگی ادائیگی کی وجہ سے چیز کے سستے دام یا اضافی مقدار کو کیا نام دیا جائے گا؟ اگر بیع سلف میں دوکاندار کے ادھار کی وجہ سے خریدار کو فائدہ ہو، تو یہ جائز ہو، لیکن اگر بیع تقسیط میں خریدار کے ادھار کی وجہ سے دوکاندار کو فائدہ ہو، تو وہ ناجائز کیوں؟

ان کے بقول بعض اہل علم کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ بیع سلم میں مدت کی وجہ سے قیمت کی کمی وبیشی نہیں ہوتی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''بیع سلم پر اس بیع اجل (ادھار کی بیع) کو اس لیے بھی قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ بیع الاجل میں جو زیادہ قیمت لی جاتی ہے، وہ صرف ادھار کی وجہ سے ہے جو عین سود ہے، جبکہ بیع سلم میں مدت اور ادھار کی وجہ سے پھلوں کی اصل قیمت سے زائد کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا، لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہے اور معترضین کا قیاس، قیاس مع الفارق اور باطل ہے۔''

جبکہ بیع سلف میں چیز کی حوالگی کی مدت کے حساب سے قیمت مقرر ہوتی ہے اور یہی چیز اس بیع میں لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔ جتنی جلدی چیز ملتی ہے، اتنی ہی قیمت زیادہ اور جتنی تاخیر سے ملتی ہے، اتنی ہی قیمت کم ہوتی ہے، جیسا کہ:

❁ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُّسَلِّفَهٗ مِائَةَ دِينَارٍ فِي عَشْرَةِ أَكْرَارٍ؛ خَمْسَةٌ مِّنْهَا فِي وَقْتِ كَذَا، وَخَمْسَةٌ فِي وَقْتِ كَذَا؛ لِوَقْتٍ بَعْدَهٗ، لَمْ يَجُزِ السَّلَفُ، لِأَنَّ قِيمَةَ الْخَمْسَةِ الْأَكْرَارِ الْمُؤَخَّرَةِ أَقَلُّ مِنْ قِيمَةِ الْأَكْرَارِ الْمُقَدَّمَةِ، فَتَقَعُ الصَّفْقَةُ؛ لَا يُعْرَفُ كَمْ حِصَّةُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْخَمْسَتَيْنِ مِنَ الذَّهَبِ، فَوَقَعَ بِهٖ مَجْهُولًا، وَهُوَ لَا يَجُوزُ مَجْهُولًا .

''سو دینار کے بدلے دس اکرار (عراقی پیمانہ) غلے کی بیع سلف اس صورت میں ناجائز ہے کہ پانچ اکرار ایک وقت میں اور پانچ اس کے بعد کسی وقت

میں ملیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں ملنے والے پانچ اکرار کی قیمت پہلے ملنے والے پانچ اکرار سے کم ہوگی۔سودا تو طے ہو جائے گا،لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ مقررہ قیمت میں پہلے اور بعد والے اکرار کا حصہ کتنا کتنا ہے۔ یوں دونوں کی قیمت نا معلوم ہوگی اور اس صورت میں بیع سلف جائز نہیں رہتی۔''

(الأمّ : 3/98)

رہی ان کی یہ بات کہ ''بیع سلم میں مدت اور ادھار کی وجہ سے پھلوں کی اصل قیمت سے زائد کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا''تو جو ادھار کرتا ہے، زیادہ اسے ہی دینا پڑتا ہے۔ یہاں ادھار خریدار نہیں کر رہا کہ اسے زیادہ قیمت دینی پڑے، بلکہ یہاں ادھار پھلوں والا کر رہا ہے، جسے مدت کی بنا پر پھل سستے دینے پڑتے ہیں اور وہ اتنی ہی قیمت میں زیادہ پھل دیتا ہے،جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بیان ذکر کیا جا چکا ہے۔

بيع تقسيط صرف ابهام كي صورت ميں ممنوع هے :

اگر فریق ثانی یہ کہے کہ بیع تقسیط اس لیے ممنوع ہے کہ اس کی ممانعت پر دلیل موجود ہے،تو فریق اوّل جواباً کہتا ہے کہ بیع تقسیط کی ممانعت اسی صورت میں ہے، جب نقد یا ادھار والی قیمت کا تعین نہ ہو سکے، بلکہ ابہام ہی میں سودا طے ہو جائے اور ابہام کی صورت میں تو بیع سلف بھی جائز نہیں رہتی،جیسا کہ گزشتہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امام شافعی رحمہ اللہ کے فتوے سے واضح ہے۔اس کی مزید تفصیل فریق ثانی کے دلائل کے ضمن میں پیش کی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ فریقِ اوّل کے پاس صرف ایک ہی دلیل ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت ہے اور شریعت نے نقد و ادھار کے فرق کو سود قرار نہیں دیا،لہٰذا ایسا معاملہ جائز ہے۔

آیئے اب فریقِ ثانی کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔اگر فریقِ ثانی قرآن و سنت اور فہم

سلف کی روشنی میں قیمت کے تعین کی صورت میں بھی نقد وادھار کے فرق کو سود ثابت کر دے، تو بلاشبہ نقد وادھار کے فرق کا معاملہ سود ہی ہوگا اور اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

مانعین کے دلائل

خاص ممانعت اصل اباحت پر مقدم ہے :

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت سے کوئی انکار نہیں، لیکن جب شریعت کسی کاروبار کو خاص طور پر منع کر دے، تو وہ اصل اباحت سے نکل کر حرام ہو جاتا ہے۔اس بات سے کوئی ایک مسلمان بھی اختلاف نہیں کرتا۔

بیع تقسیط کی حرمت :

فریق ثانی کے بقول بیع تقسیط، یعنی نقد وادھار کا فرق شریعت نے منع قرار دیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ» .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهٗ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا» .

''جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے، اس کے لیے یا تو کم قیمت لینا جائز ہے یا پھر وہ سود لے گا۔'' (سنن أبي داوٗد، كتاب البيوع، أبواب الإجارة، باب فيمن باع بيعتين في بيعة: 3461، وسندهٗ حسنٌ)

فرمانِ نبوي کا صحیح مفهوم :

اس فرمانِ نبوی میں ایک بیع میں دو سودے کرنے سے کیا مراد ہے؟ فریقِ ثانی کا کہنا ہے کہ اس کی اگرچہ کئی تفسیریں ہیں، لیکن صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے فتاویٰ جات کی روشنی میں نقد وادھار کا فرق بھی بیع کی انہی اقسام میں شامل ہے، جو اس حدیث کی وجہ سے حرام قرار پاتی ہیں۔ ان سب فتاویٰ جات کو ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا، شائقین تفصیل کے لیے ماہنامہ الحدیث حضرو کا شمارہ نمبر 40 ملاحظہ فرمالیں۔

اسلافِ امت دراصل کیا کهتے هیں ؟

فریقِ اوّل کہتا ہے کہ فریقِ ثانی کے ذکر کردہ صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے فتاویٰ جات بلاشبہ معتبر ہیں، لیکن ان کی اصل مراد کو نہیں سمجھا گیا۔ یہ فتاویٰ جات تو الٹا انہی کی دلیل بنتے ہیں، کیونکہ ان سب میں ابہام کی صورت کو ایک بیع میں دو سودے قرار دے کر ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی فتویٰ ایسا نہیں، جس میں نقد وادھار میں سے ایک پر سودا طے ہو جانے کی صورت میں بھی ناجائز یا سود قرار دیا گیا ہو۔ جب کوئی بیچنے والا کہے کہ نقد لاکھ کا اور ادھار سوا لاکھ کا اور اسی پر سودا ہو جائے، تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک بیع میں دو سودے ہیں، جو حرام ہی ہیں، لیکن جب خریدنے والا کہے کہ میں ادھار ہی خریدنا چاہتا ہوں اور بیچنے والا اسے بتائے کہ ادھار کی صورت میں اسے سوا لاکھ روپے ادا کرنا پڑیں گے، تو ایک بیع میں دو سودے ہوئے ہی نہیں، صرف ایک ہی ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ معلوم مدت، مثلاً تین سال میں ادائیگی کی صورت میں چیز کی قیمت سوا لاکھ روپے ہے۔

فریقِ اوّل کے بقول اصل غلطی یہی ہوئی کہ ائمہ اسلاف کے فتاویٰ جات، جو کہ ابہام میں سودا طے ہونے کے متعلق تھے، انہیں ادھار طے ہونے والی صورت پر بھی منطبق کر دیا گیا۔

فریقِ ثانی اور تحقیق میں دیانتداری :

فریقِ اوّل کے بقول فریقِ ثانی کے بعض افراد نے اس سلسلے میں کئی مقامات پر دیانتداری کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑا ہے، مثلاً ؛

① جن اسلاف کا یہ کہنا تھا کہ نقد وادھار کا فرق ذکر کرکے اسی پر سودا کرنا منع ہے، لیکن اگر ادھار پر معاملہ طے ہو جائے، تو کوئی حرج نہیں، انہوں نے ان کے وہ اقوال لے لیے جن سے اپنا مطلب نکل سکتا تھا اور جن الفاظ سے ان کے موقف کی تردید ہوتی تھی، ان کو ہڑپ کر گئے، مثلاً ؛

امام ترمذی رحمہ اللہ کا موقف :

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ کی صرف اتنی عبارت ذکر کی گئی :

[حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا : بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَّقُولَ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ، وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور اس حدیث کی تفسیر میں بعض اہل علم نے کہا کہ ایک چیز میں دو بیعوں کا معنیٰ یہ ہے کہ آدمی کہے : میں تجھے یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا بیچتا ہوں۔

(سنن الترمذی بعد حدیث :1231)]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے آگے کیا فرمایا ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیں ؛

وَلَا يُفَارِقُهُ عَلٰى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ، فَإِذَا فَارَقَهُ عَلٰى أَحَدِهِمَا؛ فَلَا

بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمَا .

''یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب خریدنے والا بیچنے والے سے نقد یا ادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کر کے جدا نہ ہو۔ اگر وہ کوئی ایک معاملہ طے کر کے جدا ہوا ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب نقد وادھار میں سے کسی ایک پر ہی سودا طے ہو جائے (تو ایک بیع میں دو سودے ہوئے ہی نہیں)۔''

فریقِ ثانی کی ذکر کردہ عبارت سے متصل یہ الفاظ چونکہ ان کے موقف کی تردید کرتے تھے، لہٰذا ان کو حذف کر دیا گیا، حالانکہ ان کے بغیر عبارت مکمل ہی نہیں ہوتی۔

امام بغوی رحمہ اللہ کا فیصلہ :

❀❀ انہی افراد کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں :

[امام بغوی فرماتے ہیں : وَقَوْلُهٗ : وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، فَهُوَ أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ نَقْدًا، أَوْ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، فَمَعْنَاهُ مَعْنَى الْبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ .

نبی ﷺ کا فرمان : ایک سودے میں دو شرطیں جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہے : میں تجھے یہ غلام نقد ایک ہزار میں اور ادھار دو ہزار میں فروخت کرتا ہوں، اس کا معنی ''البيعتين في بيعة'' کا معنی ہے (یعنی اس حدیث کا یہی مفہوم ہے)۔ (شرح السنۃ ۸/۱۴۵ح ۲۱۱۲)]

یہ عبارت بتا رہی ہے کہ اگر نقد وادھار میں سے کوئی معاملہ طے نہ ہو، تو یہ ناجائز ہے، اس سے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اگر ادھار پر معاملہ طے ہو جائے، تو یہ سود ہو گا؟ آیئے امام بغوی رحمہ اللہ (م:516ھ) کی اس عبارت سے صرف دو صفحات پیچھے سے پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں :

وَفَسَّرُوا الْبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِعَشْرَةٍ نَقْدًا، أَوْ بِعِشْرِينَ نَسِيئَةً إِلٰى شَهْرٍ، فَهُوَ فَاسِدٌ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، لِأَنَّهٗ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا الثَّمَنُ، وَجَهَالَةُ الثَّمَنِ تَمْنَعُ صِحَّةَ الْعَقْدِ، وَقَالَ طَاوُسٌ : لَا بَأْسَ بِهٖ، فَيَذْهَبُ بِهٖ عَلٰى أَحَدِهِمَا، وَبِهٖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ، وَالْحَكَمُ، وَحَمَّادٌ، وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ : لَا بَأْسَ بِهٖ، وَلٰكِنْ لَّا يُفَارِقُهٗ حَتّٰى يُبَاتَّهٗ بِأَحَدِهِمَا، فَإِنْ فَارَقَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَهُوَ لَهٗ بِأَقَلِّ الثَّمَنَيْنِ إِلٰى أَبْعَدِ الْأَجَلَيْنِ، أَمَّا إِذَا بَاتَّهٗ عَلٰى أَحَدِ الْأَمْرَيْنِ فِي الْمَجْلِسِ، فَهُوَ صَحِيحٌ بِهٖ، لَا خِلَافَ فِيهِ.

''سلف صالحین نے ایک بیع میں دو سودے کرنے کی تفسیر یہ کی ہے کہ بیچنے والا کہے: میں یہ کپڑا نقد ادائیگی پر دس میں اور ایک ماہ کے ادھار پر بیس میں بیچتا ہوں۔ یہ صورت اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے، کیونکہ اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اصل قیمت کون سی ہے؟ قیمت کا نامعلوم ہونا اس معاملے کو صحیح نہیں رہنے دیتا۔ امام طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نقد و ادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کر لیا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔ امام ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابوسلیمان رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نقد و ادھار کی قیمت میں فرق جائز ہے، لیکن خریدنے والا اس وقت تک بیچنے والے سے جُدا نہ ہو، جب تک نقد و ادھار میں کوئی ایک معاملہ طے نہ کر

لیا جائے۔ اگر اس سے پہلے جُدا ہو گیا، تو پھر کم قیمت اور زیادہ مدت پر معاملہ طے ہو گا (اس کی سند نہیں مل سکی، البتہ یہ قول امام طاؤس رحمہ اللہ سے ثابت ہے، چند سطروں بعد اسے پیش کیا جا رہا ہے۔ ناقل)۔ البتہ اگر نقد و ادھار میں سے کسی ایک معاملے کو اسی مجلس میں طے کر لیا جائے، تو اس کے درست ہونے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔'' (شرح السنة : 143/8)

معلوم ہوا کہ امام بغوی رحمہ اللہ تو نقد و ادھار میں سے ایک معاملہ طے ہونے کی صورت میں بیع کے جواز پر اجماع نقل کر رہے ہیں اور بعض لوگ یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ وہ ادھار کے بدلے میں قیمت کے اضافے کو حرام اور سود قرار دیتے تھے۔ **العیاذ باللّٰہ!**

امام طاؤس رحمہ اللہ کا فتوی :

❀❀❀ امام طاؤس رحمہ اللہ کا جو قول انہوں نے پیش کیا، وہ ان کے موقف کی تردید اور فریقِ اوّل کی تائید میں بالکل واضح تھا، انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :

[امام طاؤس کہتے ہیں: إِذَا قَالَ : هُوَ بِكَذَا وَكَذَا إِلٰى كَذَا وَكَذَا، وَبِكَذَا وَكَذَا إِلٰى كَذَا وَكَذَا، فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا، فَهُوَ بِأَقَلِّ الثَّمَنَيْنِ إِلٰى أَبْعَدِ الْأَجَلَيْنِ . جب آدمی یوں کہے: فلاں چیز اتنی اتنی رقم کے ساتھ، اس اس طرح مدت تک اور اتنی اتنی رقم کے ساتھ، اس اس طرح مدت تک ہے، تو بیع واقع ہو جائے گی اور اس کے لیے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہو گی اور دو مدتوں میں سے دور کی مدت ہو گی۔ (مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۶ح ۱۴۶۳۱، وسندہ صحیح)]

اس عبارت کے ترجمے میں بھی غلطی کی گئی ہے۔ فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ''تو بیع واقع ہو جائے گی۔'' حالانکہ اصل ترجمہ یہ ہے:

”اور اسی (نقد یا ادھار کے ابہام) پر بیع واقع ہو جائے، تو۔۔۔“

یعنی امام طاؤس رحمہ اللہ کا یہ قول بالکل واضح ہے کہ اگر بیچنے والا نقد و ادھار دونوں قیمتیں بتائے اور خریدنے والا کوئی ایک قیمت طے نہ کرے اور اسی مبہم طریقے سے بیع واقع ہو جائے، تو پھر یہی ہو گا کہ سب سے کم قیمت اور سب سے زیادہ مدت سمجھی جائے گی، لیکن اگر بیچنے والا نقد و ادھار دونوں قیمتیں بتا دے اور باہمی رضامندی سے ادھار طے ہو جائے، تو یہ صورت وہ نہیں ہو گی، جس کے بارے میں امام طاؤس رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ:

فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا .

عظیم تابعی، امام طاؤس رحمہ اللہ کے اس قول کی صحیح مراد تک پہنچنے کے لیے ہم محولہ بالا کتاب ہی سے انہی کا ایک اور قول پیش کر دیتے ہیں، جو مذکورہ بالا قول سے چند سطریں پیچھے موجود ہے۔ امام طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِأَنْ يَّقُولَ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِعَشَرَةٍ إِلٰى شَهْرٍ، أَوْ بِعِشْرِينَ إِلٰى شَهْرَيْنِ، فَبَاعَهٗ عَلٰى أَحَدِهِمَا قَبْلَ أَنْ يُّفَارِقَهُ؛ فَلَا بَأْسَ بِهٖ .

”یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ میں تجھے یہ کپڑا مہینے کے ادھار پر دس میں اور دو مہینوں کے ادھار پر بیس میں فروخت کرتا ہوں اور پھر جدا ہونے سے پہلے اسے کسی ایک معین قیمت پر فروخت کر دے، تو اس میں کوئی بھی حرج نہیں۔“

(مصنّف عبد الرزّاق : 136/8، وسندہٗ صحیحٌ)

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام طاؤس رحمہ اللہ ادھار کی صورت میں بڑھنے والی رقم کو سود سمجھتے تھے؟

بے احتیاطی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اصل موقف :

② فریقِ اوّل کو یہ بھی شکوہ ہے کہ فریقِ ثانی کے بعض محققین نے اس مسئلے میں تحقیق کے اسلوب کو بالائے طاق رکھا ہے۔مثلاً بعض اہل علم نے لکھا ہے:

[امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، بِأَلْفٍ نَقْدًا، فَأَيَّهُمَا شِئْتَ أَخَذْتَ بِهٖ، وَهٰذَا بَيْعٌ فَاسِدٌ۔۔۔، وَعِلَّةُ النَّهْيِ عَلَى الْأَوَّلِ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، وَلُزُومُ الرِّبَا عِنْدَ مَنْ يَّمْنَعُ بَيْعَ الشَّيْءِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ لِأَجْلِ النَّسِيئَةِ .

آدمی یوں کہے: میں تجھے یہ چیز دو ہزار میں ادھار بیچتا ہوں اور نقد ایک ہزار میں۔تمہیں جس طرح پسند ہو لے لو،تو بیع فاسد ہے اور اس سے منع کی علت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی اور پھر اس میں سود ہے، اس شخص کے ہاں جو ادھار کی وجہ سے اس کے دن کے بھاؤ سے زیادہ قیمت لیتا ہے۔

(الام للشافعی/مختصر المزنی ص ۸۸، سبل السلام، البیوع باب شروطه وما نهی عنه واللفظ له ص ۵۵۲ تحت ح ۷۹۱)]

یہ عبارت نقل کرتے وقت انتہائی بے احتیاطی برتی گئی ہے۔ایک تو اس طرح کہ یہ عبارت فریقِ ثانی کے موقف کے بالکل برعکس ہے،مزنی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے جو نقل کیا ہے، وہ یوں ہے:

بَابُ الْبَيْعِ بِالثَّمَنِ الْمَجْهُولِ ۔۔۔،

(قَالَ الشَّافِعِيُّ) : ۔۔۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، (قَالَ الشَّافِعِيُّ) : وَهُمَا وَجْهَانِ؛ أَحَدُهُمَا أَنْ يَقُولَ : قَدْ بِعْتُك هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ نَقْدًا أَوْ بِأَلْفَيْنِ إِلٰى سَنَةٍ، قَدْ وَجَبَ لَك بِأَيِّهِمَا شِئْتُ أَنَا وَشِئْتَ أَنْتَ، فَهٰذَا بَيْعُ الثَّمَنِ، فَهُوَ مَجْهُولٌ .

''نامعلوم قیمت والی بیع کا بیان۔۔۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ ہے کہ بیچنے والا کہے : میں تجھے یہ غلام نقد قیمت پر ایک ہزار میں، جبکہ سال کے ادھار پر دو ہزار میں فروخت کرتا ہوں۔ان میں سے جو میں چاہوں اور جو تُو چاہے، اس پر تیرے لیے یہ معاملہ واجب ہو گیا۔یہ قیمت والا معاملہ ہے، لیکن اس میں قیمت نامعلوم ہے(اس لیے یہ بیع فاسد ہے)۔''(مختصر المزني : 8/186)

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نے اس معاملے کو فاسد اس لیے کہا کہ نقد و ادھار میں سے کسی کا تعین نہیں ہوا۔قیمت نقد کے حساب سے ہو گی یا ادھار کے حساب سے، اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔اسی ابہام کی وجہ سے بیع فاسد ہوئی، نہ کہ قیمت کی زیادت کی وجہ سے۔اگر ادھار پر معاملہ طے ہو جاتا، تو اس میں کوئی خرابی نہ ہوتی۔مزنی کی تبویب بھی یہی بتا رہی ہے کہ یہ معاملہ تب ہی ناجائز ہو گا، جب کوئی ایک بات طے نہیں ہوتی۔فریقِ ثانی کو اپنی یہ دلیل اپنے ہی خلاف پڑ گئی ہے، کیونکہ ان کا موقف ہے کہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا سبب ادھار کے بدلے قیمت کا اضافہ ہے، نہ کہ قیمت کا عدمِ تعین۔

دوسری بے احتیاطی یہ ہے کہ اس عبارت میں علامہ صنعانی رحمہ اللہ کی بات کو شامل کر

کے اسے امام شافعی رحمہ اللہ کی بات قرار دے دیا گیا ہے۔علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے واضح طور پر انتھی لکھ کر بتا دیا تھا کہ یہاں پر امام شافعی رحمہ اللہ کی بات ختم ہوگئی ہے اور آگے میرا اپنا تبصرہ ہے،لیکن ناقل نے اس بات کو [۔۔۔] کے نشان کے ساتھ حذف کر دیا اور علامہ صنعانی کے تبصرے کو بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی عبارت میں شامل کر دیا۔

تیسری بے احتیاطی یہ کی گئی کہ علامہ صنعانی کی جو عبارت ،امام شافعی رحمہ اللہ سے منسوب کی گئی،اس کا ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔اگر اس کا صحیح ترجمہ ہو جاتا تو اصل بات سمجھ میں آ جاتی۔علامہ صنعانی کی عبارت کا ترجمہ یوں کیا گیا:

وَعِلَّةُ النَّهْيِ عَلَى الْأَوَّلِ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، وَلُزُومُ الرِّبَا عِنْدَ مَنْ يَّمْنَعُ بَيْعَ الشَّيْءِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ لِأَجْلِ النَّسِيئَةِ .

”اوراس سے منع کیعلت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی اور پھر اس میں سود ہے،اس شخص کے ہاں جو ادھار کی وجہ سے اس کے دن کے بھاؤ سے زیادہ قیمت لیتا ہے۔“

حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے:

پہلی صورت کے مطابق ممانعت کی علت (امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک) یہ ہے کہ قیمت کا تعین نہیں ہوا اور جو شخص ادھار کی وجہ سے چیز کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے بڑھا کر بیچنے سے منع کرتا ہے،اس کے نزدیک علت یہ ہے کہ اس طرح سود لازم آتا ہے۔“

یعنی علامہ صنعانی رحمہ اللہ کی یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس بیع کی ممانعت اس لیے نہیں کہ اس میں سود ہے، بلکہ صرف اس لیے ہے کہ نقد وادھار

میں سے کسی قیمت کا تعین نہیں ہوا۔سود کو اس بیع کے ممنوع ہونے کا سبب قرار دینے والا وہ شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ ادھار کی وجہ سے موجودہ بھاؤ سے زیادہ قیمت مقرر کرنا منع ہے۔ یہ شخص کون ہے؟اس کا تعین فریقِ ثانی ہی کی ذمہ داری ہے۔ہمیں تو اسلافِ امت میں سے کوئی ایک بھی اس موقف کا حامل نظر نہیں آیا۔

بہرحال اس بیع کی ممانعت کا سبب امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سود ہونا نہیں تھا، بلکہ عدمِ تعین ہی تھا۔آیئے امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ، وَمِنْهُ أَنْ أَقُولَ : سِلْعَتِي هٰذِهٖ لَك بِعَشَرَةٍ نَقْدًا، أَوْ بِخَمْسَةَ عَشَرَ إِلٰى أَجَلٍ، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ بِأَحَدِ الثَّمَنَيْنِ، لِأَنَّ الْبَيْعَ لَمْ يَنْعَقِدْ بِشَيْءٍ مَّعْلُومٍ .

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔اس کی ایک قسم یہ ہے کہ میں کہوں: میرا یہ سامان تیرے لیے نقد میں دس کا یا ایک مدت کے ادھار میں پندرہ کا ہے۔یوں خریدار پر یہ بیع دو قیمتوں میں سے کسی ایک (نامعلوم) قیمت کے ساتھ پکی ہوگی، کیونکہ کسی معین چیز پر تو یہ بیع طے نہیں ہوئی۔“

(كتاب الأم : 305/7)

اگر اس کی ممانعت سود کی بنا پر ہوتی،تو امام صاحب اس کی ممانعت عدمِ تعین کو نہیں، بلکہ سود ہی کو بتاتے۔

معلوم ہوا کہ محققین اہل علم کا یہی فیصلہ ہے کہ نقد و ادھار میں سے کسی ایک پر معاملہ طے ہو جائے،تو اس میں کوئی حرج نہیں، نہ ہی ادھار کی بنا پر قیمت میں اضافہ سود ہے۔

راویِ حدیث سماک بن حرب کا فہم کیا ہے؟

فریقِ ثانی کے بعض اہل علم نے لکھا ہے:

''اور مسند احمد میں سماک بن حرب کا یہی قول ہے۔(۱/ ۳۹۸) سماک بن حرب معروف ثقہ تابعی ہیں جنھوں نے اَسی (۸۰) صحابہ کرام کو پایا ہے اور اس حدیث کے راوی ہیں اور ان کی تفسیر وتوضیح اس مقام پر دوسرے لوگوں سے مقدم ہے۔اس لیے راویِ حدیث اپنی روایت کا مفہوم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔''

آیئے اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ سماک بن حرب رحمہ اللہ کا فہم کیا ہے:

❁ علامہ محمد بن علی، شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) فرماتے ہیں:

فَسَّرَهٗ سِمَاكٌ بِمَا رَوَاهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ أَحْمَدَ عَنْهُ، وَقَدْ وَافَقَهٗ عَلَى مِثْلِ ذٰلِكَ الشَّافِعِيُّ، فَقَالَ: بِأَنْ يَّقُولَ: بِعْتُكَ بِأَلْفٍ نَقْدًا أَوْ أَلْفَيْنِ إِلٰى سَنَةٍ، فَخُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ أَنْتَ وَشِئْتُ أَنَا، وَنَقَلَ ابْنُ الرِّفْعَةِ عَنِ الْقَاضِي أَنَّ الْمَسْأَلَةَ مَفْرُوضَةٌ عَلٰى أَنَّهٗ قَبِلَ عَلَى الْإِبْهَامِ، أَمَّا لَوْ قَالَ: قَبِلْتُ بِأَلْفٍ نَقْدًا، وَبِأَلْفَيْنِ بِالنَّسِيئَةِ؛ صَحَّ ذٰلِكَ.

''اس کی تفسیر سماک بن حرب رحمہ اللہ نے وہ کی ہے، جو صاحبِ کتاب (منتقی الاخبار) نے امام احمد رحمہ اللہ کی روایت سے ذکر کی ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی موافقت کی ہے۔وہ فرماتے ہیں: (ناجائز یہ ہے کہ) وہ کہے: میں نے یہ چیز نقد ایک ہزار کی اور سال کے ادھار پر دو ہزار کی بیچی۔

ان دونوں صورتوں میں سے جو تمہیں اور مجھے پسند ہے، اسے لے لو۔ابن رفعہ (احمد بن محمد شافعی، معاصر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے قاضی (عیاض؟) سے نقل کیا ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے، جب وہ اسی ابہام وعدمِ تعین پر بیع قبول کرلے۔اگر وہ یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز ایک ہزار میں نقد یا دو ہزار میں ادھار لی، تو یہ بالکل درست ہے۔''(نيل الأوطار : 180/5)

❀ شارحِ سنن ابو داؤد، علامہ، ابوطیب، شمس الحق، عظیم آبادی رحمہ اللہ (م : 1329ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْخَطَّابِيُّ : وَتَفْسِيرُ مَا نَهٰى عَنْهُ مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ نَقْدًا بِعَشَرَةٍ، أَوْ نَسِيئَةً بِخَمْسَةَ عَشَرَ، فَهٰذَا لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهٗ لَا يَدْرِي أَيُّهُمَا الثَّمَنُ الَّذِي يَخْتَارُهٗ مِنْهُمَا، فَيَقَعُ بِهِ الْعَقْدُ، وَإِذَا جَهِلَ الثَّمَنَ بَطَلَ الْبَيْعُ، انْتَهٰى، قُلْتُ : وَبِمِثْلِ هٰذَا فَسَّرَ سِمَاكٌ رَوَاهُ أَحْمَدُ .

''علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے جو منع فرمایا ہے، اس کی تفسیر دو طرح سے ہے؛ ایک تو یہ کہ بائع کہے : میں یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار پندرہ کا بیچتا ہوں۔ یہ جائز نہیں، کیونکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ خریدار ان میں سے کون سی قیمت منتخب کرے گا، تاکہ اسی قیمت پر معاملہ طے ہو۔جب قیمت نامعلوم ہوئی، تو بیع باطل ہوگئی۔ میں (عظیم آبادی) کہتا ہوں کہ سماک بن حرب رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے، اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔''

(عون المعبود في شرح سنن أبي داوٗد : 238/9)

❁ شارحِ ترمذی، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (م:1353ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْبَائِعُ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ وَّبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ؛ فَقَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهُ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ، ثُمَّ نَقَدَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، فَقَدْ صَحَّ هٰذَا الْبَيْعُ، وَكَذٰلِكَ إِذَا قَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهُ بِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ، وَفَارَقَ الْبَائِعَ عَلٰى هٰذَا؛ صَحَّ الْبَيْعُ، لِأَنَّهُ لَمْ يُفَارِقْهُ عَلٰى إِيهَامٍ وَّعَدَمِ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، بَلْ فَارَقَهُ عَلٰى وَاحِدٍ مُّعَيَّنٍ مِنْهُمَا، وهٰذَا التَّفْسِيرُ قَدْ رَوَاهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ فِي رِوَايَتِهٖ عَنْ سِمَاكٍ ----.

''جب بائع کہے: میں تجھے یہ کپڑا نقد پر دس کا اور ادھار پر بیس کا دیتا ہوں اور مشتری کہہ دے: میں اسے نقد پر دس کا خریدتا ہوں، پھر دس درہم نقد دے بھی دے، تو یہ بیع درست ہو گی۔اسی طرح جب مشتری کہے: میں یہ کپڑا ادھار پر بیس کا خریدتا ہوں اور اسی معاملے پر وہ بائع سے جدا ہو جائے، تو یہ بیع بھی درست ہے، کیونکہ مشتری بائع سے کسی ابہام اور قیمت کے عدمِ تعین پر جدا نہیں ہوا، بلکہ نقد وادھار میں سے ایک معین معاملے پر جدا ہوا ہے۔امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں سماک بن حرب رحمہ اللہ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔''

(تحفة الأحوذي : 358/4)

یعنی امام سماک بن حرب جو کہ اس حدیث کے راوی بھی ہیں، ان کا یہ موقف ہرگز نہیں جو فریقِ ثانی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ان کا یہی موقف ہے اگر ابہام اور قیمت کے عدمِ تعین پر معاملہ طے ہوتا ہے، تو وہ ممنوع وحرام ہے، لیکن اگر کسی ایک معین قیمت پر بات

طے ہو جائے، تو وہ بالکل جائز ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن اسلاف نے یہ کہا ہے کہ ''نقد اتنے کا اور ادھار اتنے کا'' کی بیع منع ہے، محققین اہل علم نے ان کی مراد یہی بیان کی ہے کہ عدمِ تعین والا معاملہ جائز نہیں۔ معلوم نہیں کہ بعض متاخرین اہل علم نے متقدمین کے برعکس سلف کے اقوال کی یہ مراد کیوں لے لی؟

یہ ہے اُن اسلافِ امت کا صحیح موقف، جن کے مبہم اقوال سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نقد وادھار کی قیمت میں فرق کرنا حدیث کی روشنی میں منع ہے اور ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت مقرر کرنا سودی معاملہ ہے۔ انہی کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا گیا تھا:

> ''مذکورہ بالا ائمہ محدثین کی توضیحات سے واضح ہو گیا کہ نقد اور ادھار کے فرق پر بیع کرنا درست نہیں اور ادھار کی وجہ سے جو قیمت زائد لگائی جاتی ہے، وہ سود کی زمرے میں آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان ((**فله أو كسهما أو الربا**)) کے مطابق واضح سود ہے۔''

حالانکہ یہ اقوال واضح طور پر فریقِ ثانی کے موقف کی تردید کر رہے ہیں اور بتا رہے ہے کہ اگر نقد یا ادھار میں سے کوئی ایک معاملہ طے ہو جائے، تو یہ ناجائز نہیں رہتا۔

مزید اسلافِ امت کے فتاوي جات :

یہاں پر ہم کچھ اور اہل علم کے اقوال بھی پیش کر رہے ہیں:

امام عطا بن ابو رباح رحمہ اللہ :

❀ عظیم المرتبت تابعی، امام عطا بن ابو رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ أَنْ يَّقُولَ : هٰذَا الثَّوْبُ بِالنَّقْدِ بِكَذَا، وَبِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا، وَيَذْهَبُ بِهٖ عَلٰى أَحَدِهِمَا .

''کوئی کہے کہ یہ کپڑا نقد میں اتنے کا اور ادھار میں اتنے کا ہے اور خریدار اسے کسی ایک قیمت پر لے جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 307/4، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ایک دفعہ امام عطا رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کوئی چیز خریدتا ہے، پھر کہتا ہے : میرے پاس اس کی نقد قیمت نہیں ہے، میں اسے (زیادہ قیمت پر) ادھار خرید سکتا ہوں۔ کیا یہ بیع درست ہے؟ تو فرمایا:

إِذَا صَارَ كَالْبَيْعِ اشْتَرَاهُ إِنْ شَاءَ .

جب یہ معاملہ بیع کی طرح ہو (یعنی بائع کہے : ادھار کی قیمت یہ ہے)، تو اسے خرید سکتا ہے۔'' (مصنّف ابن أبي شيبة : 307/4، وسندهٗ حسنٌ)

امام زهري تابعي و امام قتاده تابعي رحمهما الله :

❁ مشہور تبع تابعی، امام معمر بن راشد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

أَبِيعُكَ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ نَقْدًا، أَوْ بِخَمْسَةَ عَشْرَ إِلٰى أَجَلٍ---، وَكَانَ الزُّهْرِيُّ وَقَتَادَةَ لَا يَرَيَانِ بِذٰلِكَ بَأْسًا؛ إِذَا فَارَقَهٗ عَلٰى أَحَدِهِمَا .

''(بائع اگر مشتری کو کہے کہ یہ چیز) میں تجھے نقد پر دس دینار میں اور ایک معین مدت کے ادھار پر پندرہ میں فروخت کرتا ہوں۔ اگر نقد وادھار میں کسی ایک قیمت کے طے ہونے پر ان کی جدائی ہو، تو امام ابن شہاب زہری تابعی

اور امام قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔''

(مصنّف عبد الرزّاق : 137/8، وسندہٗ صحیحٌ)

حکم بن عُتیبہ تابعي و حماد بن ابو سلیمان تابعي رحمہما اللہ :

❁ عظیم تبع تابعی، امیر المومنین فی الحدیث، امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ (م:160ھ) کا بیان ہے:

سَأَلْتُ الْحَكَمَ وَحَمَّادًا؛ عَنِ الرَّجُلِ يَشْتَرِي مِنَ الرَّجُلِ الشَّيْءَ، فَيَقُولُ : إِنْ كَانَ بِنَقْدٍ فَبِكَذَا، وَإِنْ كَانَ إِلٰى أَجَلٍ فَبِكَذَا، قَالَ : لَا بَأْسَ إِذَا انْصَرَفَ عَلٰى أَحَدِهِمَا، قَالَ شُعْبَةُ : فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُغِيرَةَ، فَقَالَ : كَانَ إِبْرَاهِيمُ لَا يَرٰى بِذٰلِكَ بَأْسًا إِذَا تَفَرَّقَ عَلٰى أَحَدِهِمَا .

''میں نے امام حکم بن عتیبہ تابعی اور حماد بن ابوسلیمان تابعی رحمہما اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی سے کوئی چیز خریدتا ہے، تو بیچنے والا کہتا ہے: نقد اتنے میں اور اتنی مدت کے ادھار پر اتنے میں۔ ان دونوں نے فرمایا: جب وہ نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے پر جدا ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (امام شعبہ فرماتے ہیں:) میں نے یہ بات مغیرہ بن مقسم سے بیان کی، تو انہوں نے کہا : امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ بھی اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے، اگر بائع اور مشتری نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے پر جدا ہوتے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 307/4، وسندہٗ صحیحٌ إلی شعبة)

امام دار الهجره، مالك بن انس رحمہ اللہ :

امام مدینہ، مالک بن انس رحمہ اللہ (93-179ھ) نے ایک بیع میں دو سودے کرنے

سے ممانعت والی حدیث کی تفسیر میں تین صورتیں ذکر کی ہیں؛ مؤطا کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس بارے میں لکھا ہے:

وَقَدْ فَسَّرَ مَالِكٌ مَّذْهَبَهٗ فِي مَعْنَى النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ وَّاحِدَةٍ، وَأَنَّ ذٰلِكَ عِنْدَهٗ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ؛ أَحَدُهَا الْعِينَةُ، وَالثَّانِي أَنَّهٗ يَدْخُلُهٗ مَعَ الطَّعَامِ مِنْ جِنْسٍ وَّاحِدٍ مُّتَفَاضِلًا، وَالثَّالِثُ أَنَّهٗ مِنْ بُيُوعِ الْغَرَرِ.

''امام مالک رحمہ اللہ نے ایک بیع میں دو سودے کرنے کی ممانعت والی حدیث کے معنیٰ و مفہوم میں اپنا مذہب واضح کر دیا ہے۔ان کے نزدیک اس کی تین صورتیں ہیں؛ ایک صورت بیع عینہ (کسی سے کوئی چیز زیادہ قیمت میں ادھار خرید کر اسی کو کم قیمت میں نقد بیچ دینا)، دوسری صورت ایک ہی قسم کے غلے کا کمی وبیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا اور تیسری صورت بیع غرر (دھوکے کی بیع) ہے۔''

(الاستذکار: 450/6)

نقد وادھار کا فرق ان تینوں قسموں میں سے صرف اور صرف بیع غرر پر منطبق ہوتا ہے۔ بیع غرر اس بیع کو کہتے ہیں، جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام ہو۔ چیز نامعلوم ہو یا قیمت، بیع غرر ہی کے زمرے میں آتی ہے۔ کسی ایک قیمت کے تعین کی صورت میں نقد وادھار کے فرق کو بیع غرر نہیں کہا جا سکتا۔

معلوم ہوا کہ دیگر اسلاف کی طرح امام مالک رحمہ اللہ بھی کسی ایک قیمت کے تعین پر اس بیع کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔

امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) سے ان کے بیٹے ابو الفضل

صالح رحمہ اللہ نے پوچھا:

اَلرَّجُلُ يَبِيعُ الْمَتَاعَ، فَيَقُولُ: أَبِيعُكَ بِالنَّقْدِ بِأَلْفٍ، وَإِلٰى شَهْرٍ بِأَلْفٍ وَّمِائَةٍ، وَإِلٰى شَهْرَيْنِ بِأَلْفٍ وَّمِائَتَيْنِ.

"ایک شخص اپنا سامان یہ کہہ کر فروخت کرتا ہے: میں تجھے یہ سامان نقد میں ایک ہزار کا، ایک مہینے کے ادھار پر ایک ہزار ایک سو کا اور دو مہینے کے ادھار پر ایک ہزار دو سو کا بیچتا ہوں (تو اس کا کیا حکم ہے؟)۔"

اس پر امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

هٰذَا مَكْرُوهٌ إِلٰى أَنْ يُّفَارِقَهٗ عَلٰى أَحَدِ الْبُيُوعِ.

"یہ مکروہ ہے، الا یہ کہ خریدنے والا بیچنے والے سے کوئی ایک معاملہ طے کر کے جدا ہو۔"

(مسائل الإمام أحمد برواية ابنه عبد اللّٰه :378/1، رقم المسئلة : 353)

امام ابن المنذر رحمہ اللہ :

امام، محمد بن ابراہیم، ابن منذر نیشاپوری رحمہ اللہ (242-319ھ) نے اس حدیث کی شرح میں امام طاؤس، حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابو سلیمان کا قول ذکر کیا ہے کہ اگر بائع و مشتری کے جدا ہونے سے قبل نقد و ادھار میں سے ایک چیز طے ہو جائے، تو پھر یہ بیع جائز ہے۔

(الإشراف على مذاهب العلماء : 42/6)

ائمہ لغت و شارحین حدیث ائمہ دین :

آیئے اب ائمہ لغت اور شارحین حدیث ائمہ دین سے بھی اس حدیث کا صحیح معنیٰ و مفہوم دریافت کرتے ہیں۔

امام ابو عُبَید قاسم بن سلام رحمہ اللہ :

❀ دورِ اوّل کے عظیم فقیہ و محدث اور ماہر لغتِ حدیث، علامہ ابوعبید، قاسم بن سلام رحمہ اللہ (150-225ھ) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک بیع میں دوسودے کرنے کی ممانعت والی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں :

صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ رِبًا؛ مَعْنَاهُ أَنْ يَّقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِالنَّقْدِ بِكَذَا، وَبِالتَّأْخِيرِ بِكَذَا، ثُمَّ يَفْتَرِقَانِ عَلٰى هٰذَا الشَّرْطِ، وَمِنْهُ حَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَإِذَا فَارَقَهٗ عَلٰى أَحَدِ الشَّرْطَيْنِ بِعَيْنِهٖ، فَلَيْسَ بِبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ .

''ایک چیز میں دوسودے کرنا سود ہے۔اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کہے : میں تجھے یہ کپڑا نقد پر اتنے میں اور ادھار پر اتنے میں بیچتا ہوں۔ پھر وہ دونوں اسی (مبہم) شرط پر جدا ہو جائیں۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا بھی یہی مطلب ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دوسودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔اگر خریدار بیچنے والے سے نقد و ادھار میں سے کسی ایک خاص شرط پر جدا ہو، تو یہ معاملہ ایک بیع میں دوسودوں والا ہے ہی نہیں۔''

(غريب الحديث : 4/110)

حافظ ابو سلیمان خطابي رحمہ اللہ :

❀ حافظ، ابوسلیمان، خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) فرماتے ہیں :

وَتَفْسِيرُ مَا نُهِيَ عَنْهُ مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ؛

أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُولَ بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ نَقْدًا بِعَشْرَةٍ وَنَسِيئَةً بِخَمْسَةَ عَشَرَ، فَهٰذَا لَا يَجُوزُ لِأَنَّهٗ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا الثَّمَنُ الَّذِي يَخْتَارُهٗ مِنْهُمَا، فَيَقَعُ بِهِ الْعَقْدُ، وَإِذَا جُهِلَ الثَّمَنُ بَطَلَ الْبَيْعُ .

''ایک بیع میں دوسودے کرنے سے منع کرنے والی حدیث کی دوتفسیریں کی گئی ہیں؛ ایک تو یہ ہے کہ بیچنے والا یوں کہے: میں تجھے یہ کپڑا نقد قیمت پر دس میں اور ادھار پر پندرہ میں دوں گا۔ یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ خریدنے والا کون سی قیمت منتخب کرے گا۔ اسی طرح ہی سودا طے ہوجاتا ہے، لیکن جب قیمت نامعلوم ہو، تو بیع فاسد ہوتی ہے۔''

(معالم السنن : 123/3)

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ :

❁ حافظ یوسف بن عبداللہ، ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عِنْدَ الْجَمِيعِ إِذَا افْتَرَقَا عَلٰى ذٰلِكَ .

''سب اہل علم کے نزدیک یہ صورت (کہ نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں) ایک بیع میں دوسودے کی اس وقت ہوگی جب بائع اور مشتری اسی (عدمِ تعین) پر جدا ہوجائیں۔'' (الاستذکار : 450/6)

❁ نیز فرماتے ہیں:

وَمِمَّا نَهٰى عَنْهُ؛ بَيْعَتَانِ فِي بَيْعَةٍ، وَذٰلِكَ أَنْ يَّبِيعَ الرَّجُلُ سِلْعَةً بِخَمْسَةٍ نَّقْدًا، أَوْ عَشْرَةٍ إِلٰى أَجَلٍ، قَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ بِأَحَدِ

الثَّمَنَيْنِ، وَالْبَائِعُ بِالْخِيَارِ بِأَيِّ الثَّمَنَيْنِ شَاءَ أَوْجَبَ بِهٖ لِلْمُشْتَرِي، فَهٰذَا بَيْعٌ فَاسِدٌ، ـــ، فَإِنْ كَانَ الْبَيْعُ عَلٰى أَنَّ الْمُشْتَرِيَ بِالْخِيَارِ فِيهِمَا جَمِيعًا؛ بَيْنَ أَنْ يَّأْخُذَ بِأَيَّتِهِمَا شَاءَ، وَبَيْنَ أَنْ يَّرُدَّهُمَا جَمِيعًا؛ فَذٰلِكَ جَائِزٌ، وَلَيْسَ مِنْ بَابِ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، لِأَنَّ الْبَيْعَ هٰهُنَا نَافِذٌ، وَقَعَ عَلٰى شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ، يَخْتَارُهُ مِنْ شَيْئَيْنِ مَعْلُومَيْنِ، لَهُ الْخِيَارُ فِي أَحَدِهِمَا، وَالسِّلْعَةُ الْأُولٰى لَمْ يَقَعْ شِرَاؤُهَا عَلٰى شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ بِقَطْعٍ أَوْ خِيَارٍ.

''رسول اللہ ﷺ نے جن بیوع سے منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک وہ بیع ہے، جس میں دو سودے کیے گئے ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا نقد میں پانچ کا اور ادھار میں دس کا بیچ رہا ہو، تو ان دونوں میں سے کسی ایک (نامعلوم) قیمت پر سودا ہوگا اور بیچنے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ جو قیمت چاہے گا، خریدنے والے کے ذمے لگائے گا۔ یہ بیع فاسد ہے۔۔۔ لیکن اگر یہ بیع اس طرح ہو کہ خریدار کو نقد یا ادھار میں سے کوئی ایک قیمت منتخب کرنے یا دونوں کو ردّ کرنے کا اختیار ہو، تو یہ جائز ہے اور ایک بیع میں دو سودوں کے زمرے میں نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بیع ایسے معین معاملے پر طے ہوئی ہے، جسے خریدار دو معلوم صورتوں میں سے پسند کرے گا اور اس کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے منتخب کرنے کا مکمل اختیار ہے۔ اس کے برعکس پہلے بیان کی گئی صورت میں چیز کی بیع کسی ایک طے شدہ معاملے یا خریدار کے اختیار پر واقع نہیں ہوئی تھی۔'' (الكافي في فقه أهل المدينة : 2/739-740)

حافظ ابن اثیر جزري رحمہ اللہ :

❁ مشہور لغوی و اصولی اور محدث، علامہ مبارک بن محمد، ابن اثیر، جزری رحمہ اللہ (544-606ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، هُوَ أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ نَقْدًا بِعَشَرَةٍ وَّنَسِيئَةً بِخَمْسَةَ عَشَرَ، فَلَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّهٗ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا الثَّمَنُ الَّذِي يَخْتَارُهٗ لِيَقَعَ عَلَيْهِ الْعَقْدُ .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بیچنے والا کہے: میں نے تجھے یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار پندرہ کا بیچا۔ یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ وہ کون سی قیمت منتخب کر رہا ہے تا کہ اس پر معاملہ طے ہو۔'' (النهاية في غريب الحديث والأثر : 173/1)

علامہ ابن منظور افریقي رحمہ اللہ :

❁ علامہ، محمد بن مکرم، ابن منظور، افریقی رحمہ اللہ (630-711ھ) نے بھی اس حدیث کی شرح میں بالکل یہی بات لکھی ہے۔(لسان العرب : 26/8)

معلوم ہوا کہ اگر نقد یا ادھار میں سے کوئی ایک صورت طے ہو جائے، تو کوئی ابہام نہیں رہتا اور خرید و فروخت درست ہو جاتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ :

❁ شیخ الاسلام، امام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) کا تفصیلی فتویٰ تو شروع کے صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے، جہاں انہوں نے کتاب و سنت اور اجماع کی بنا پر اسے جائز کہا، البتہ یہاں ان کا ایک اور صریح قول پیش کیا جا رہا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

فَإِنَّ الْأَجَلَ يَأْخُذُ قِسْطًا مِّنَ الثَّمَنِ .

”بلاشبہ مدت، قیمت میں اپنا حصہ رکھتی ہے۔“

(مجموع الفتاوىٰ : 29/498-499)

علامه عبد الرحمٰن مباركپوري رحمہ اللہ :

شارحِ سنن ترمذی، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (م : 1353ھ) فرماتے ہیں :

قَالَ الْبَائِعُ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ، فَقَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهُ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ، ثُمَّ نَقَدَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ؛ فَقَدْ صَحَّ هٰذَا الْبَيْعُ، وَكَذٰلِكَ إِذَا قَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهُ بِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ، وَفَارَقَ الْبَائِعَ عَلٰى هٰذَا؛ صَحَّ الْبَيْعُ، لِأَنَّهُ لَمْ يُفَارِقْهُ عَلٰى إِيهَامٍ وَّعَدَمِ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، بَلْ فَارَقَهُ عَلٰى وَاحِدٍ مُّعَيَّنٍ مِّنْهُمَا .

”جب بیچنے والا خریدار سے کہے کہ میں تجھے یہ کپڑا نقد قیمت پر دس میں اور ادھار پر بیس میں دیتا ہوں اور خریدار یہ کہہ دے کہ میں اسے نقد دس میں خریدتا ہوں، پھر دس درہم نقد دے بھی دے، تو یہ بیع درست ہو گی۔ اسی طرح جب خریدار کہے کہ میں اس کپڑے کو ادھار پر بیس درہم میں خریدتا ہوں اور اسی معاملے پر وہ بیچنے والے سے جدا ہو جائے، تو یہ بیع بھی درست ہو گی، کیونکہ وہ کسی وہمی معاملے اور قیمت کے عدم تعین پر جدا نہیں ہوا، بلکہ ایک معین معاملے پر جدا ہوا ہے۔“ (تحفة الأحوذي : 4/358)

نواب صديق حسن خان قنوجي رحمہ اللہ :

علامہ، محمد صدیق خان بن حسن، قنوجی رحمہ اللہ (1248-1307ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا بَيْعُ الشَّيْءِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ مُؤَجَّلًا؛ فَأَقُولُ: الزِّيَادَةُ عَلٰى سِعْرِ يَوْمِ الْبَيْعِ لَيْسَتْ مِنَ الرِّبَا فِي وِرْدٍ وَلَا صَدْرٍ؛ لِأَنَّ الرِّبَا زِيَادَةُ أَحَدِ الْمُتَسَاوِيَيْنِ عَلَى الْآخَرِ، وَلَا تَسَاوِيَ بَيْنَ الشَّيْءِ وَثَمَنِهٖ، مَعَ اخْتِلَافِ جِنْسِهِمَا، فَلَا يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ تَحْرِيمُ هٰذِهِ الصُّورَةِ لِكَوْنِهَا رِبًا.

"رہا کسی چیز کو ایک مدت کے موجودہ بھاؤ سے مہنگی بیچنا، تو میں کہتا ہوں کہ یہ کسی دور میں بھی سود نہیں کہلایا، کیونکہ دو برابر کی چیزوں میں سے ایک کا دوسرے سے زائد ہونا سود کہلاتا ہے۔ یہاں چیز اور قیمت میں کوئی برابری نہیں ہوتی، مزید یہ کہ ان کی جنس بھی مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا اس صورت کو سود ہونے کی بنا پر حرام قرار دینا درست نہیں۔" (الروضة النديّة شرح الدرر البهيّة: 106/2)

اکثر عرب علماءِ کرام :

اکثر عرب علماء کا مثلاً شیخ ابن باز، شیخ ابن عثیمین رحمہما اللہ وغیرہ یہی موقف ہے۔

صرف ادھار والا معاملہ کیوں منع ہے؟

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ مذکورہ حدیث، جسے مانعین اپنی دلیل بناتے ہیں، وہ تو صرف ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع کرتی ہے، لیکن یہ لوگ اس صورت کو بھی کیوں منع قرار دیتے ہیں کہ بیچنے والا کہے: میں صرف ادھار بیچتا ہوں اور اتنی قیمت لیتا ہوں؟ اس کی کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جا سکی۔

اس سلسلے میں علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ غَايَةَ مَا فِيهَا الدَّلَالَةُ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الْبَيْعِ إِذَا وَقَعَ عَلٰى هَذِهِ الصُّورَةِ، وَهِيَ أَنْ يَّقُولَ: نَقْدًا بِكَذَا، وَنَسِيئَةً بِكَذَا، لَا إِذَا قَالَ: مِنْ أَوَّلِ الْأَمْرِ: نَسِيئَةً بِكَذَا فَقَطْ، وَكَانَ أَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ، مَعَ أَنَّ الْمُتَمَسِّكِينَ بِهٰذِهِ الرِّوَايَةِ يَمْنَعُونَ مِنْ هٰذِهِ الصُّورَةِ، وَلَا يَدُلُّ الْحَدِيثُ عَلٰى ذٰلِكَ، فَالدَّلِيلُ أَخَصُّ مِنَ الدَّعْوٰى.

''اس حدیث کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ اس صورت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے کہ بیچنے والا یہ کہے: نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی۔جب وہ شروع ہی سے یہ کہے کہ میں ادھار دوں گا اور قیمت یہ ہوگی اور وہ قیمت موجودہ قیمت سے زیادہ ہو،تو یہ صورت اس حدیث سے منع نہیں ہوتی،لیکن اس حدیث سے دلیل لینے والے اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیتے ہیں۔حالانکہ یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں بنتی۔یوں ان کا دعویٰ عام ہے،جبکہ دلیل خاص۔''

(نیل الأوطار: 181/5)

فله أوكسهما أو الربا:

رہے حدیثِ نبوی کے وہ الفاظ جن سے بعض متاخرین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا سود ہے،تو ان الفاظ کی یہ مراد قطعاً نہیں۔

ایک تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس حدیث کی تمام سندوں میں صرف یہی بات مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔صرف ایک سند میں یہ اضافہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا،یا تو وہ کم قیمت پر معاملہ کرے گا یا پھر وہ سود

ہوگا۔اسی بنا پر بعض اہل علم نے ان الفاظ کو ''شاذ'' بھی قرار دے یا ہے۔لیکن حقیقت میں یہ سند بھی ''حسن'' ہے۔اسے ''شاذ'' یا ''ضعیف'' کہنا درست نہیں،البتہ اس صورتِ حال میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ بیع تقسیط کے علاوہ بھی ایک بیع میں دوسودے کرنے کی کئی صورتیں موجود بھی ہیں،جنہیں فریقِ اوّل اور فریقِ ثانی یکساں تسلیم کرتے ہیں،ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ:

زید نے بکر کو ایک دینار پیشگی دیا کہ وہ اس کے بدلے ایک مہینے بعد ایک کلو گندم دے گا۔جب مہینہ گزرا تو زید نے بکر سے ایک کلو گندم کا مطالبہ کیا،لیکن بکر کہنے لگا کہ جو ایک کلو گندم تم نے مجھ سے لینی ہے، اسے ایک مہینے کے ادھار پر دوکلو گندم کے بدلے مجھے بیچ دو۔

یعنی ایک سودا پورا ہونے سے پہلے ہی اسی سودے میں دوسرا سودا کر لینا۔

حدیث کے زیرِ بحث الفاظ اسی صورت کے بارے میں ہیں۔اہل علم بھی یہی کہتے ہیں،جیسا کہ:

علامہ خطابي رحمہ اللہ کي تفسير :

امام بیہقی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قَرَأْتُ فِي كِتَابِ أَبِي سُلَيْمَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي تَفْسِيرِ هٰذَا الْحَدِيثِ، ---كَأَنَّهٗ أَسْلَفَ دِينَارًا فِي قَفِيزِ بُرٍّ إِلٰى شَهْرٍ، فَلَمَّا حَلَّ الْأَجَلُ وَطَالَبَهٗ بِالْبُرِّ، قَالَ لَهٗ : بِعْنِي الْقَفِيزَ الَّذِي لَكَ عَلَيَّ بِقَفِيزَيْنِ إِلٰى شَهْرَيْنِ، فَهٰذَا بَيْعٌ ثَانٍ قَدْ دَخَلَ عَلَى الْبَيْعِ الْأَوَّلِ، فَصَارَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَيُرَدَّانِ إِلٰى أَوْكَسِهِمَا، وَهُوَ الْأَصْلُ، فَإِنْ

تَبَايَعَا الْبَيْعَ الثَّانِيَ قَبْلَ أَنْ يَّتَنَاقَضَا الْبَيْعَ الْأَوَّلَ؛ كَانَا مُرْبِيَيْنِ .

''میں نے ابوسلیمان (حافظ خطابی) رحمہ اللہ کی کتاب میں اس حدیث کی یہ تفسیر پڑھی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو ایک دینار پیشگی دیا تا کہ مہینے بعد گندم کا ایک قفیز (پیمانہ) لے سکے۔ جب وقت آیا اور اس نے گندم کا مطالبہ کیا، تو دوسرا شخص کہنے لگا: تم مجھے وہ گندم بیچ دو، جو مجھ سے لینی تھی اور اس کے بدلے دو مہینوں بعد دو قفیز گندم لے لینا۔ یہ دوسرا سودا ہے، جو پہلے سودے پر داخل ہو گیا ہے۔ یوں یہ ایک بیع میں دو سودے ہو گئے ہیں۔ ان دونوں سودوں کو کم، جو کہ اصل (ایک) ہے، کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگر وہ پہلا سودا ختم ہونے سے پہلے دوسرا سودا کرتے ہیں، تو وہ سود والا معاملہ کریں گے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 561/5، لسان العرب لابن منظور : 257/6، النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير : 220/5)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی تفسیر :

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَالتَّفْسِيرُ الثَّانِي أَنْ يَّقُولَ أَبِيعُكَهَا بِمِائَةٍ إِلٰى سَنَةٍ عَلٰى أَنْ أَشْتَرِيَهَا مِنْكَ بِثَمَانِينَ حَالَّةً، وَهٰذَا مَعْنَى الْحَدِيثِ الَّذِي لَا مَعْنٰى لَهٗ غَيْرُهٗ، وَهُوَ مُطَابِقٌ لِّقَوْلِهٖ : «فَلَهٗ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا»، فَإِنَّهٗ إِمَّا أَنْ يَّأْخُذَ الثَّمَنَ الزَّائِدَ؛ فَيُرْبِي، أَوِ الثَّمَنَ الْأَوَّلَ، فَيَكُونَ هُوَ أَوْكَسَهُمَا، وَهُوَ مُطَابِقٌ لِّصَفْقَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ، فَإِنَّهٗ قَدْ جَمَعَ صَفْقَتَيِ النَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ فِي صَفْقَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّمَبِيعٍ وَّاحِدٍ، وَهُوَ

قَصْدُ بَيْعِ دَرَاهِمَ عَاجِلَةٍ بِدَرَاهِمَ مُؤَجَّلَةٍ أَكْثَرَ مِنْهَا، وَلَا يَسْتَحِقُّ إِلَّا رَأْسَ مَالِهِ، وَهُوَ أَوْكَسُ الصَّفْقَتَيْنِ، فَإِنْ أَبٰى إِلَّا الْأَكْثَرَ؛ كَانَ قَدْ أَخَذَ الرِّبَا.

''اس حدیث کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: میں تجھے یہ چیز ایک سال کے ادھار پر سو درہم میں بیچتا ہوں، اس شرط پر کہ ابھی میں تم سے یہی چیز اسی درہم میں خریدوں گا۔ اس (اضافی الفاظ والی) حدیث کا یہی معنیٰ ہے، اس کے علاوہ کوئی معنیٰ نہیں اور یہی معنیٰ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق ہے کہ وہ کم قیمت پر فروخت کرے گا یا سود لے گا۔ کیونکہ بیچنے والے کے پاس دو راستے ہیں؛ یا تو وہ زائد قیمت لے، جو کہ سود ہے یا پھر پہلی قیمت، جو کہ کم ہے، وہ لے۔ یہی چیز ایک بیع میں دو سودے والی ہے، کیونکہ اس نے ایک بیع میں دو سودے جمع کر لیے ہیں۔ دراصل اس معاملے کے ذریعے وہ پیشگی درہموں کے بدلے تاخیر سے زیادہ درہم دینا چاہتا ہے، حالانکہ وہ صرف اپنے سرمایہ کا مستحق ہے اور یہی دو سودوں میں سے کم قیمت والا سودا ہے۔ اگر وہ زیادہ لینے پر ہی اصرار کرے، تو پھر وہ سود ہی لے گا۔''

(تهذيب السنن مع عون المعبود : 247/9)

شارحِ ترمذي ابن رسلان :

شارحِ جامع ترمذی، شیخ عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ابن رسلان (م : 844ھ) سے بھی یہی معنیٰ نقل کیا ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلافِ امت میں سے کسی نے چیز کی ادھار میں زائد قیمت کو سود نہیں کہا۔ اگر حدیثِ نبوی کی یہ مراد ہوتی، تو ائمہ محدثین ضرور اس سے واقف ہوتے۔

اگر کوئی اصرار کرے کہ ان الفاظ کا تعلق نقد و ادھار کے فرق سے بھی ہے، تو پھر بھی یہ تعلق اس صورت میں ہو گا، جب نقد وا دھار میں سے کوئی چیز طے نہیں ہوتی، بلکہ ابہام میں ہی سودا طے ہو جاتا ہے۔ اگر نقد وادھار میں سے کوئی ایک طے ہو جائے، تو پھر ایک بیع میں دوسودے ہوئے ہیں نہیں، بلکہ ایک ہی سودا ہوا ہے، جو بالکل جائز ہے۔

حدیث کے الفاظ اور سلف صالحین کا فہم یہی بتاتا ہے اور گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

قیمت کا عدم تعین ہي ممانعت کا سبب ھے :

بعض لوگ یہ کہتے ہیں قیمت کا عدمِ تعین اس بیع کی ممانعت کا سبب نہیں۔ ان کا یہ فہم ائمہ محدثین اور اسلافِ امت کے فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ ہم امام طاؤس، امام زہری، امام قتادہ، امام حکم بن عتیبہ، امام حماد بن ابوسلیمان، امام شافعی، امام ترمذی، امام قاسم بن سلام، امام بغوی، حافظ ابن عبد البر، علامہ خطابی اور ابن اثیر جزری رحمہم اللہ وغیرہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ نقد و ادھار میں سے کسی ایک قیمت کا عدمِ تعین ہی اس بیع کی ممانعت کا سبب ہے۔ اسی لیے اگر نقد وادھار میں سے ایک کا تعین ہو جائے تو یہ معاملہ ان اہل علم کے نزدیک جائز ہو جاتا ہے۔ اس کے خلاف اسلاف سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ جب سلف صالحین نے قیمت کے عدمِ تعین کو ممانعت کا سبب سمجھا ہے، تو بعد والوں کو اپنی سمجھ اسی کے مطابق بنانی چاہیے۔

بعض نے لکھا ہے:

''اس جگہ بیع میں جہالت کا ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ خریدار اور بائع بااختیار ہیں اور وہ دونوں ہی اگر دو قیمتوں میں سے ایک قیمت کا تعین کیے بغیر جدا ہو

جائیں اور بائع خریدار کو بعد میں ملے اور خریدار سے کہہ دے کہ مجھے ادھار منظور ہے اور وہ نقد پیسے اسے دے دے، تو اس صورت میں کوئی ایسی جہالت نہیں پائی جاتی، جو بیع کی صحت کے لیے مضر ہو۔''

بات بہت واضح تھی، لیکن اسے دھندلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر خرید وفروخت کا معاملہ اس طرح ہو کہ یہ کپڑا نقد دس کا اور ایک ماہ کے ادھار پر پندرہ کا ہے اور دونوں فریق بغیر نقد وادھار طے کیے جُدا ہو جائیں اور اگلے دن جب ملیں تو خریدنے والا کہے کہ میں جو کپڑا لے کر گیا تھا، وہ نقد پر تھا، یہ لو دس روپے اور بیچنے والا کہے کہ میں نے تو ادھار بیچا تھا، اس لیے میں دس نہیں لیتا، بلکہ ایک ماہ بعد پندرہ ہی لوں گا۔ تو بتائیے کہ کیا جہالت اس بیع میں فساد کا سبب بنی کہ نہیں؟

مختلف مکاتبِ فکر کے فقہاء کا نظریہ :

اب مختلف مسالک کے فقہاء کی صراحت بھی ملاحظہ فرمائیں :

امام طحاوي حنفي رحمہ اللہ :

۞ امام ابوجعفر، احمد بن محمد بن سلامہ، طحاوی رحمہ اللہ (238-321ھ) ایک بیع میں دو شرطوں کے بارے میں بعض اہل علم کا موقف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ، لِأَنَّهُ وَقَعَ بِثَمَنٍ مَجْهُولٍ.

''یہ بیع فاسد ہے، کیونکہ یہ نامعلوم قیمت پر واقع ہوئی ہے۔''

(شرح معاني الآثار : 47/4)

علامہ شیرازي شافعي رحمہ اللہ :

۞ علامہ، ابواسحاق، شیرازی، شافعی رحمہ اللہ (393-476ھ) فرماتے ہیں :

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُونَ الْمُرَادُ بِهٖ أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا بِأَلْفٍ نَّقْدًا أَوْ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، فَلَا يَجُوزُ لِلْخَبَرِ، وَلِأَنَّهٗ لَمْ يَعْقِدْ عَلٰى ثَمَنٍ مَّعْلُومٍ.

”رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دوسودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔اس کی ایک مراد یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی کہے : میں تجھے یہ چیز ایک ہزار میں نقد اور دو ہزار میں ایک سال کے ادھار پر فروخت کرتا ہوں۔مذکورہ حدیث کی وجہ سے یہ ناجائز ہے،اس لیے بھی کہ اس نے کسی معین قیمت پر معاملہ طے نہیں کیا۔“

(المهذّب في فقه الإمام الشافعي : 20/2)

علامه سرخسي حنفي رحمہ اللہ :

۞ علامہ،محمد بن احمد،سرخسی،حنفی رحمہ اللہ (م:483ھ) لکھتے ہیں:

وَإِذَا عَقَدَ الْعَقْدَ عَلٰى أَنَّهٗ إِلٰى أَجَلٍ كَذَا بِكَذَا، وَبِالنَّقْدِ بِكَذَا، أَوْ قَالَ إِلٰى شَهْرٍ بِكَذَا، أَوْ إِلٰى شَهْرَيْنِ بِكَذَا، فَهُوَ فَاسِدٌ؛ لِأَنَّهٗ لَمْ يُعَاطِهٖ عَلٰى ثَمَنٍ مَّعْلُومٍ.

”جب کوئی اس صورت میں معاملہ کرے کہ اتنی مدت کے ادھار پر اتنی قیمت میں اور نقد اتنی قیمت میں یا ایک مہینے کے ادھار پر اتنی قیمت میں اور دو مہینوں کے ادھار پر اتنی قیمت میں،تو یہ بیع فاسد ہے،کیونکہ اس نے کسی معین قیمت پر معاملہ طے نہیں کیا۔“(المبسوط : 13/8)

علامه كاساني حنفي رحمہ اللہ :

۞ علامہ،ابوبکر،مسعود بن احمد،کاسانی حنفی رحمہ اللہ (م:587ھ) لکھتے ہیں:

وَكَذَا إِذَا قَالَ : بِعْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ إِلٰى سَنَةٍ، أَوْ بِأَلْفٍ وَّخَمْسِمِائَةٍ إِلٰى سَنَتَيْنِ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ مَجْهُولٌ .

''اسی طرح (یہ بیع بھی فاسد ہے) جب کوئی کہے: میں نے تجھے یہ غلام سال کے ادھار پر ایک ہزار درہم میں یا دو سال کے ادھار پر پندرہ سو درہم میں بیچا، کیونکہ قیمت معلوم (معین) نہیں۔'' (بدائع الصنائع : 158/5)

ابن قدامه مقدسي حنبلي رحمہ اللہ :

علامہ، عبداللہ بن احمد، ابن قدامہ، مقدسی رحمہ اللہ (541-620ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ أَيْضًا بَاطِلٌ، وَهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُورِ، لِأَنَّهٗ لَمْ يَجْزِمْ لَهٗ بِبَيْعٍ وَّاحِدٍ، فَأَشْبَهَ مَا لَوْ قَالَ : بِعْتُكَ هٰذَا أَوْ هٰذَا، وَلِأَنَّ الثَّمَنَ مَجْهُولٌ، فَلَمْ يَصِحَّ، كَالْبَيْعِ بِالرَّقْمِ الْمَجْهُولِ ---، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ طَاوٗسٍ وَّالْحَكَمِ وَحَمَّادٍ أَنَّهُمْ قَالُوا : لَا بَأْسَ أَنْ يَّقُولَ : أَبِيعُكَ بِالنَّقْدِ بِكَذَا وَبِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا، فَيَذْهَبُ عَلٰى أَحَدِهِمَا، وَهٰذَا مَحْمُولٌ عَلٰى أَنَّهٗ جَرٰى بَيْنَهُمَا بَعْدَ مَا يَجْرِي فِي الْعَقْدِ، فَكَأَنَّ الْمُشْتَرِيَ قَالَ : أَنَا آخُذُهٗ بِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا، فَقَالَ : خُذْهُ، أَوْ قَدْ رَضِيتُ، وَنَحْوَ ذٰلِكَ، فَيَكُونُ عَقْدًا كَافِيًا .

''یہ بیع بھی باطل ہے، جمہور بھی یہی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں کسی ایک معاملے کو طے نہیں کیا گیا۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی کہے: میں تمہیں یہ یا یہ چیز بیچتا ہوں۔ یہ اس لیے بھی باطل ہے کہ قیمت معین نہیں اور ایسے ہی ہے جیسے

نامعلوم قیمت پر بیع کی جا رہی ہو۔۔۔امام طاؤس، امام حکم اور حماد رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: اگر کوئی کہے: میں تجھے نقد اتنے میں، جبکہ ادھار اتنے میں دوں گا اور خریدار کسی ایک قیمت پر معاملہ طے کر لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرتے وقت بائع اور مشتری میں جو بحث و تکرار ہوتی ہے، اسی میں مشتری نے کہہ دیا کہ میں اسے اتنے میں ادھار لیتا ہوں اور بائع نے کہہ دیا: لے لو یا میں راضی ہوں وغیرہ، تو یہ سودا مکمل ہو جائے گا۔'' (المغني : 177/4)

حافظ نووي شافعي رحمہ اللہ :

◎ حافظ، یحییٰ بن شرف، نووی، شافعی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

أَنْ يَّقُولَ بِعْتُكَ هٰذَا بِأَلْفٍ نَّقْدًا، أَوْ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، فَلَا يَجُوزُ لِلْخَبَرِ، وَلِأَنَّهٗ لَمْ يَعْقِدْ عَلٰى ثَمَنٍ مَّعْلُومٍ .

''کوئی کہے: میں نے تجھے یہ چیز نقد میں ایک ہزار کی اور ادھار میں دو ہزار کی بیچی، تو یہ اس حدیث کی وجہ سے جائز نہیں، نیز اس وجہ سے بھی کہ اس نے کسی معین قیمت پر معاملہ طے نہیں کیا۔'' (المجموع شرح المهذّب : 314/9)

خطيب شربيني شافعي رحمہ اللہ :

◎ فقیہ و مفسر، محمد بن احمد، خطیب شربینی شافعی رحمہ اللہ (م: 977ھ) فرماتے ہیں:

وَهُو بَاطِلٌ لِّلْجَهَالَةِ .

''یہ بیع (قیمت کے) عدمِ تعین کی بنا پر فاسد ہے۔''

(مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج : 381/2)

علامہ دسوقی مالکی رحمہ اللہ :

علامہ، محمد بن احمد، دسوقی، مالکی رحمہ اللہ (م: 1230ھ) لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا مُنِعَ لِلْجَهْلِ بِالثَّمَنِ حَالَ الْبَيْعِ .

''یہ معاملہ اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بیع کے وقت قیمت معلوم نہیں ہوتی۔''

(حاشية الدسوقي على الشرح الكبير : 58/3)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ :

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) بھی فرماتے ہیں:

وَالْعِلَّةُ فِي تَحْرِيمِ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ فِي صُورَةِ بَيْعِ الشَّيْءِ الْوَاحِدِ بِثَمَنَيْنِ .

''ایک بیع میں دو سودے کرنے سے ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ایک چیز کی دو قیمتیں بتانے کی صورت میں قیمت متعین نہیں ہوتی۔'' (نيل الأوطار : 181/5)

علامہ شنقیطی :

دورِ حاضر کے عرب محقق، محمد بن محمد مختار، شنقیطی لکھتے ہیں:

لَوْ قَالَ لَهُ : أَبِيعُكَ بِعَشْرَةٍ حَاضِرَةً وَّبِعِشْرِينَ إِلٰى أَجَلٍ، وَافْتَرَقَا قَبْلَ التَّحْدِيدِ، فَقَدْ أَدْخَلَا الصَّفْقَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ وَّاحِدَةٍ،---، أَمَّا لَوْ بَتَّ، وَاشْتَرٰى بِمِائَةٍ حَاضِرَةٍ أَوْ بِمِائَتَيْنِ إِلٰى أَجَلٍ، كَمَا هُوَ مَوْجُودٌ فِي بَيْعِ التَّقْسِيطِ، فَلَيْسَ هٰذَا بِبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَوْكَسُهُمَا وَلَا الرِّبَا؛ وَلِأَنَّ الْعَقْدَ تَمَّ عَلٰى سِعْرٍ

مُّعَيَّنٍ، فَالسِّلْعَةُ قِيمَتُهَا حَاضِرَةً بِمِائَةٍ، وَقِيمَتُهَا إِلٰى أَجَلٍ بِمِائَتَيْنِ، سَتَشْتَرِيهَا بِمِائَةٍ حَاضِرَةٍ أَوْ بِمِائَتَيْنِ إِلٰى أَجَلٍ، فَهٰذَا لَيْسَ مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فِي شَيْءٍ، وَلَوْ قُلْنَا: إِنَّ كَوْنَهٗ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْقِيمَتَيْنِ فِي الصَّفْقَةِ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، لَدَخَلَتْ جَمِيعُ الْبُيُوعَاتِ فِي الْمُسَاوَمَاتِ؛ لِأَنَّهٗ فِي الْمُسَاوَمَةِ يَقُولُ لَهٗ: بِعْنِي بِعِشْرِينَ، فَيَقُولُ: لَا، بَلْ بِثَلَاثِينَ، كَمَا لَوْ قَالَ لَهٗ: بِعْنِي بِعَشَرَةٍ حَاضِرَةً أَوْ بِعِشْرِينَ إِلٰى أَجَلٍ، فَالْمَعْنٰى فِي هٰذَا وَاضِحٌ.

''اگر بائع مشتری کو کہے: میں تجھے یہ چیز نقد پر دس میں اور ایک معین مدت تک ادھار میں بیس کی دوں گا اور وہ دونوں نقد وادھار میں سے کسی چیز کو معین کیے بغیر جدا ہو جائیں، تو انہوں نے ایک بیع میں دوسودے کر دیے۔۔۔لیکن اگر آپ طے کر لیں اور گاہک نقد پر سو میں یا ادھار پر دوسو میں خرید لے، جیسا کہ بیع تقسیط میں ہوتا ہے، تو یہ ایک بیع میں دوسودے ہرگز نہیں، کیونکہ کسی ایک معین قیمت کا نہ تو کم حصہ موجود ہے نہ اس میں سود ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ خرید وفروخت کے معاملے کا اختتام ایک معین قیمت پر ہوا ہے۔نقد پر چیز کی قیمت ایک سو اور ادھار پر اس کی قیمت دوسو ہے۔آپ اس کو نقد پر سو کی یا معین مدت کے ادھار پر دوسو کی خرید لیں گے۔اس صورت کا ایک بیع میں دوسودوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔اگر ہم کہیں کہ سودا کرتے ہوئے اس

کی دو قیمتیں بولنا ہی بتا رہا ہے کہ یہ ایک بیع میں دو سودے ہیں، تو پھر خرید و فروخت کی تمام صورتیں اسی ممنوعہ قسم میں داخل ہو جائیں گی، مثلاً سودا کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں: یہ چیز مجھے بیس کی بیچ دو، لیکن بائع کہتا ہے: نہیں، میں تو تیس میں دوں گا (یہ بھی تو ایک بیع میں دو قیمتیں ہوئیں)، بالکل اسی طرح ہو گا کہ اگر خریدار کہہ دے کہ مجھے نقد پر دس کی یا ادھار پر بیس کی دے دو۔ اس سلسلے میں بات خوب واضح ہو چکی ہے۔''

(شرح زاد المستقنع، باب الوکالة، حکم بیع الوکیل إلی أجل، الدرس : 6، نقلاً عن المکتبة الشاملة)

۞ نیز لکھتے ہیں:

وَبَيْعُ التَّقْسِيطِ؛ فِيهِ شِبْهُ إِجْمَاعٍ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ عَلٰى جَوَازِهٖ .

''قسطوں کی بیع کے جائز ہونے پر گویا علماءِ کرام کا اجماع ہے۔'' (أیضًا)

ایک اور دلیل ... قرض پر نفع سود ہے :

بعض اہل علم نے ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی بنا بھی ناجائز کہا ہے کہ:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً؛ فَهُوَ وَجْهٌ مِّنْ وُّجُوهِ الرِّبَا .

''جو قرض نفع حاصل کرے، وہ سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 350/5، وسندهٗ صحیحٌ)

قرض اور بیع میں فرق ہے :

لیکن یہ استدلال ان کی فاش غلطی ہے، کیونکہ قرض اور بیع دونوں الگ الگ چیزیں

ہیں۔قرض سے نفع لینا جائز نہیں،جیسا کہ مذکورہ بالا اثر بتا رہا ہے،جبکہ بیع کی ہی اس لیے جاتی ہے کہ اس سے نفع حاصل ہو۔اس صورتِ حال میں اس اثر سے بھلا کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

نیت اور الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے :

اگر کوئی عقلی طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ یہ معاملہ قرض پر نفع ہی کے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں بھی مدت کی بنا پر نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اس صورت میں بھی ایسے ہی کیا جاتا ہے،تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ بہت سی چیزیں عقلی طور پر ایک جیسی ہوتی ہیں،لیکن نیت اور الفاظ کے بدلنے سے ان کا حکم مختلف ہوتا ہے،مثلاً :

ایک شخص کسی سے کہتا ہے : مجھے دو دینار قرض دے دو، میں ایک ماہ بعد دو دینار لوٹا دوں گا،تو یہ بالکل درست عمل ہے،لیکن اگر وہ کہے : مجھے دو دینار بیچ دو، میں ایک ماہ بعد ان کی قیمت دو دینار کی صورت میں واپس کر دوں گا،تو یہ ناجائز اور حرام عمل ہو گا، کیونکہ رقم کی رقم کے ساتھ ادھار بیع شریعت کے مطابق سود ہوتی ہے۔

دیکھا آپ نے کہ دونوں صورتوں کا نتیجہ ایک ہی ہے،لیکن الفاظ اور نیت کے بدلنے سے حکم بالکل مختلف ہو گیا۔ایک صورت میں بالکل جائز اور دوسری صورت میں بالکل ناجائز اور سود۔بعینہٖ یہی معاملہ قرض اور بیع میں ادھار کی بنا پر نفع کا ہے۔فلیتدبّر!

اسلافِ امت کا فہم :

یہی وجہ ہے کہ متقدمین اہل علم کے پاس بھی یہ اثر پہنچا تھا،لیکن ان میں سے کسی نے اس کی بنا پر ادھار کے اضافے کو سود قرار نہیں دیا۔

انہوں نے اس کی کیا تفسیر کی، ملاحظہ فرمائیں :

امام قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ :

امام معمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً؛ فَهُوَ مَكْرُوهٌ.

''ہر وہ قرض جو نفع حاصل کرے، وہ مکروہ (حرام) ہے۔''

(مصنّف عبد الرزّاق : 145/8، وسندہٗ صحیحٌ)

اور یہی امام معمر رحمہ اللہ انہی امام قتادہ رحمہ اللہ سے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ نقد وادھار کے فرق کی صورت میں اگر ادھار طے ہو جائے، تو زیادہ قیمت لینا دینا جائز ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔

کیا امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ کو اس کا صحیح معنیٰ معلوم تھا یا بعض متاخرین کو؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ :

امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) کے بیٹے ابو الفضل صالح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

وَسَأَلْتُهٗ عَنْ قَوْلِهٖ : كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً؛ حَرَامٌ، مَا مَعْنَاهُ ؟

''ہر وہ قرض جو نفع حاصل کرے، وہ حرام ہے، اس قول کا کیا معنیٰ ہے؟

تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

مِثْلُ الرَّجُلِ تَكُونُ لَهُ الدَّارُ، فَيَجِيْءُ السَّاكِنُ، فَيَقُولُ : أَقْرِضْنِي خَمْسِينَ دِرْهَمًا حَتّٰى أُسَكِّنَ، فَيُقْرِضُهٗ وَيَسْكُنُ فِي دَارِهٖ، أَوْ يَكُونُ يُقْرِضُهُ الْقَرْضَ، فَيُهْدِي لَهُ الْهَدِيَّةَ، وَقَدْ كَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ

لَا يُهْدِي لَهُ، أَوْ يُقْرِضُهُ الْقَرْضَ، وَيَسْتَعْمِلُهُ الْعَمَلَ الَّذِي كَانَ لَا يَسْتَعْمِلُهُ قَبْلَ أَنْ يُّقْرِضَهُ، فَيَكُونُ قَرْضُهُ جَرَّ هٰذِهِ الْمَنْفَعَةَ، وَهٰذَا بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الرِّبَا، وَذٰلِكَ أَنْ يَّرْجِعَ بِقَرْضِهِ، وَقَدِ ازْدَادَ مَنْفَعَةً.

''اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا گھر ہو اور کوئی اس میں رہنے کے لیے آئے، تو وہ کہے: مجھے پچاس درہم قرض دو تا کہ میں تمہیں یہاں رہنے کی اجازت دوں۔ وہ قرض دے دیتا ہے اور اس کے گھر میں رہتا ہے۔ یا کوئی اس کو قرض دیتا ہے اور وہ اس کے لیے تحائف لاتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ اسے تحفہ نہیں دیتا تھا، یا کوئی اسے قرض دیتا ہے اور وہ اسے عامل مقرر کر دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ اسے عامل نہیں بناتا تھا۔ ان سب صورتوں میں قرض نے نفع حاصل کیا ہے اور یہ سود کی ایک قسم ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنا دیا ہوا قرض بھی واپس لے لیا اور ساتھ میں زائد چیز بھی حاصل کی۔''

(مسائل الإمام أحمد برواية ابنه صالح :320/1، رقم المسئلة :271)

امام احمد رحمہ اللہ کے یہی بیٹے صالح رحمہ اللہ ہی نے اپنے والد سے ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کا پوچھا تھا، تو امام صاحب نے اسے جائز قرار دیا تھا، یہ بات ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو اس قول کا معنیٰ و مفہوم زیادہ معلوم تھا یا آج کے بعض اہل علم کو؟ پھر اگر ادھار کی وجہ سے قیمت کے اضافے کا اس قول سے کوئی تعلق ہوتا، تو ان کے ہونہار بیٹے امام صالح رحمہ اللہ اس فتوے پر خاموش نہ رہتے۔ کیا ان اسلاف کا فہم زیادہ بہتر ہے یا بعض متاخرین کا؟

امام ابن منذر رحمہ اللہ :

مشہور فقیہ، امام ابن منذر نیشاپوری رحمہ اللہ (242-319ھ) نے بھی اس قول کو ذکر کیا ہے(الاشراف علی مذاہب العلماء : 142/6)، لیکن اس کے باوجود ہم ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے اسلاف کے اقوال نقل کر کے ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو جائز قرار دیا ہے۔

حافظ خطابی رحمہ اللہ :

حافظ، حمد بن محمد، بستی، خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) نے بھی اس قول کو بطورِ دلیل ذکر کیا ہے(معالم السنن : 122/3)، اس کے باوجود اگلے ہی صفحے پر وہ ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو جائز بھی کہتے ہیں۔

کیا حافظ خطابی رحمہ اللہ جیسا لغت وحدیث کا ماہر غلطی پر تھا یا آج کے اہل علم؟

علامہ بغوی رحمہ اللہ :

علامہ، ابو محمد، حسین بن مسعود، بغوی رحمہ اللہ (م : 516ھ) نے بھی یہ قول ذکر کیا (شرح السنۃ : 145/8)، لیکن اس کے باوجود وہ ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کے قائل تھے، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے اہل علم ایسے ہیں، جنہوں نے اس قول کو ذکر کرنے کے باوجود ادھار کی وجہ سے قیمت کے اضافے کو جائز کہا ہے۔ ہم بہت طوالت کے خوف سے ان سب کے اقوال بیان نہیں کر رہے۔

یعنی جن متقدمین اہل علم نے ادھار کی بنا پر قیمت کے اضافے کو جائز کہا، یہ اثر ان کے بھی مدنظر تھا، لیکن انہوں نے اس سے وہ نہیں سمجھا، جو بعض متاخرین نے سمجھ لیا۔

متقدمین کے مقابلے میں متاخرین کا فہم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔لہٰذا اس اثر سے ادھار کے بدلے قیمت میں اضافے کو سود کہنا کسی بھی صورت جائز نہیں۔

ادھار میں سود ہوتا ہے، نقد میں نہیں:

بعض متاخرین نے ادھار میں قیمت کے اضافے کے ناجائز ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے:

[«اَلرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ»، وَفِي رِوَايَةٍ : «لَا رِبًا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» .

''سود ادھار میں ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے: جو چیز نقد بیچی جائے، اس میں سود نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری : ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، صحیح مسلم : ۵۹۶(۱۵۹۶)، دارالسلام: ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰)]

لیکن ان کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ اس فرمانِ نبوی کا صحیح مطلب سمجھیں۔ یہ الفاظ تو درہم کی درہم اور دینار کی دینار کے ساتھ بیع، یعنی رقم کی رقم کے بدلے بیع کے بارے میں ہیں۔

صحیح مسلم کی محولہ بالا (1596) روایت میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

اَلدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، مَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ، فَقَدْ أَرْبٰى .

''دینار کی دینار کے ساتھ اور درہم کی درہم کے ساتھ بیع برابر برابر ہوگی۔ جو شخص زیادہ دے یا زیادہ طلب کرے، وہ سودی معاملہ کرے گا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس حدیث پر تبویب یوں ہے:

بَابُ بَيْعِ الدِّينَارِ بِالدِّينَارِ نَسَاءً .

”دینار کی دینار کے ساتھ ادھار بیع کا بیان۔“

یعنی اس حدیث کا تعلق ربوی اجناس سے ہے، جن میں سونا، چاندی اور غلے کی مخصوص چیزیں شامل ہیں۔اس بارے میں تفصیلات اہل علم کے ہاں معروف ہیں کہ اگر ایک جنس کا باہمی تبادلہ کرنا ہو تو نہ کمی وبیشی جائز ہوتی ہے نہ ادھار، لیکن اگر جنس مختلف ہو تو ان میں کمی وبیشی تو ہو سکتی ہے، لیکن ادھار جائز نہیں ہوتا۔ان میں ادھار ہی سود ہوتا ہے، جسے ”ربا النسیئہ“ کہا جاتا ہے۔مذکورہ فرمانِ نبوی میں اسی سود کا ذکر ہو رہا ہے۔

بعض صحابہ کرام کو اس فرمانِ نبوی سے یہ شبہ ہو گیا تھا کہ شاید سونے کے سونے اور چاندی کے چاندی کے ساتھ باہمی تبادلے کی صورت میں کمی وبیشی صرف ادھار کی صورت میں ناجائز ہے، اگر نقد ہو، تو جائز ہے۔حالانکہ اس فرمان کا صدور کسی سوال کے جواب میں ہوا تھا، جو کہ دو مختلف جنسوں کے تبادلے کے وقت کمی وبیشی کے بارے میں کیا گیا تھا، اس پر نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ (مختلف جنسوں کے تبادلے میں) سود تو صرف ادھار میں ہوتا ہے، نقد میں نہیں۔اہل علم نے اس کی وضاحت بھی کی ہے، جیسا کہ:

❁ امام، محمد بن ادریس، شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُونَ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ يُسْأَلُ عَنِ الرِّبَا فِي صِنفَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ؛ ذَهَبٍ بِفِضَّةٍ، وَتَمْرٍ بِحِنْطَةٍ، فَقَالَ: «إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ»، فَحَفِظَهُ، فَأَدّٰى قَوْلَ النَّبِيِّ، وَلَمْ يُؤَدِّ مَسْأَلَةَ السَّائِلِ.

”ممکن ہے کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے سنا ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے دو مختلف جنسوں، سونے کی چاندی اور کھجور کی گندم کے ساتھ بیع میں (مقدار میں اضافے کی وجہ سے) سود کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

سود تو ادھار میں ہوتا ہے۔سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ یاد کر کے آگے بیان کر دیے ہوں، لیکن سائل کا سوال ذکر نہ کیا ہو۔''

(اختلاف الحدیث مع کتاب الأم : 642/8)

❀ علامہ، یوسف بن عبداللہ، ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں :

وَمَعْنَى الْحَدِيثِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ خَرَجَ عَلٰى جَوَابِ سَائِلٍ سَأَلَ عَنِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ، أَوِ الْبُرِّ بِالتَّمْرِ، أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ مِمَّا هُوَ جِنْسَانِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَا رِبًا إِلَّا فِي النَّسِيئَةِ» .

''علماءِ کرام کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کسی سائل کے جواب میں وارد ہوئی، جس نے سونے کی چاندی کے ساتھ یا گندم کی کھجور کے ساتھ بیع یا اسی طرح کی دوجنسوں کی آپس میں بیع کے بارے میں سوال کیا تھا۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (ان چیزوں میں) سود (مقدار میں اضافے سے نہیں، بلکہ) ادھار میں ہوتا ہے۔''

(الاستذکار لمذاهب علماء الأمصار : 353/6)

❀ علامہ، ابوالفرج، ابن الجوزی رحمہ اللہ (508-597ھ) فرماتے ہیں :

هٰذَا الْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلٰى أَنَّ أُسَامَةَ سَمِعَ بَعْضَ الْحَدِيثِ، كَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ بَيْعِ بَعْضِ الْأَعْيَانِ الرِّبْوِيَّةِ بِبَعْضٍ؛ كَالتَّمْرِ بِالشَّعِيرِ، وَالذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ

مُتَفَاضِلًا، فَقَالَ : إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ، وَإِنَّمَا حَمَلْنَاهُ عَلٰى هٰذَا لِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ عَلٰى خِلَافِهٖ، وَإِلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى ذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ الْأَثْرَمُ.

''اس حدیث کو یوں محمول کیا جائے گا کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کا کچھ حصہ سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ربوی اجناس میں سے ایک کی دوسری کے ساتھ کمی و بیشی والی بیع کے بارے میں پوچھا گیا، جیسے کھجور کی جَو کے ساتھ اور سونے کی چاندی کے ساتھ۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس صورت میں) سود تو ادھار ہی میں ہوتا ہے۔ ہمارے اس حدیث کو اس معنیٰ پر محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے (ظاہری معنیٰ کے) خلاف امتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔ یہی معنیٰ ابوبکر اثرم رحمہ اللہ نے لیا ہے۔'' (كشف المشكل من حديث الصحيحين : 15/4)

لہٰذا اس فرمانِ نبوی کو غیر ربوی اجناس میں ادھار سے جوڑنا سرے ہی سے صحیح نہیں۔

پھر جتنے بھی اسلافِ امت نے ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافے کو جائز قرار دیا ہے، ان سب کے علم میں یہ فرمانِ نبوی تھا، لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس کی بنا پر ادھار کی وجہ سے قیمت کے اضافے کو سود نہیں کہا، بلکہ اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔

ممنوعہ صورت میں کم قیمت بھی جائز نہیں :

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جو لوگ قسطوں کے کاروبار کو جائز نہیں سمجھتے، وہ حدیثِ نبوی پیش کر کے یہ کہتے ہیں:

''اس حدیث کی رُو سے تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں: دکاندار یا بائع یا تو کم مقدار والی قیمت کے ساتھ اپنی چیز بیچے گا اور وہ نقد کی قیمت ہے یا پھر ادھار کی وجہ سے سودی اضافہ وصول کرے گا، جس کی اس نے ادھار کی صورت میں شرط لگائی تھی۔''

یعنی ان کے نزدیک اگر کم قیمت پر وہی سودا ہو جائے، تو وہ جائز ہے، لیکن اہل علم کچھ اور کہتے ہیں۔ بعینہ اسی حدیث کے مطابق امام طاؤس رحمہ اللہ نے یہ فتوی دیا:

إِذَا قَالَ : هُوَ بِكَذَا وَكَذَا إِلٰى كَذَا وَكَذَا، وَبِكَذَا وَكَذَا، إِلٰى كَذَا وَكَذَا، فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا، فَهُوَ بِأَقَلِّ الثَّمَنَيْنِ إِلٰى أَبْعَدِ الْأَجَلَيْنِ .

''جب آدمی یوں کہے: فلاں چیز اتنی مدت تک اتنی قیمت میں اور اتنی مدت تک اتنی قیمت میں ہے اور اسی پر بیع واقع ہوگئی ہو، تو اس کے لیے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہوگی اور دو مدتوں میں سے دُور کی مدت ہوگی۔''

یہ قول امام طاؤس رحمہ اللہ سے ثقہ امام، معمر بن راشد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔ اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام طاؤس رحمہ اللہ کے یہی شاگرد فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِذَا كَانَ الْمُبْتَاعُ قَدِ اسْتَهْلَكَهٗ .

''یہ اس صورت میں ہوگا، جب خریدی گئی چیز کو خریدار نے صرف کر لیا ہو۔''

(مصنّف عبد الرزّاق : 136/8، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم ہوا کہ جب ایک بیع میں دو سودے ہوں، یعنی نقد اتنے میں، ادھار اتنے میں اور کوئی چیز معین نہ ہو سکے، تو یہ بیع ہی فاسد ہوتی ہے، ایسا معاملہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر ایسے معاملے میں خریدار خریدی ہوئی چیز کو استعمال میں لا چکا ہو، مثلاً جانور کو ذبح کر کے کھا چکا ہو، تو پھر نقد والی قیمت اور ادھار والی مدت کو لاگو کیا جائے گا، ورنہ سود ہو جائے گا۔

مصنف عبد الرزاق میں امام طاؤس رحمہ اللہ کے اسی قول کے بالکل متصل بعد امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول یہ فتویٰ بھی موجود ہے:

إِذَا قُلْتَ : أَبِيعُكَ بِالنَّقْدِ إِلٰى كَذَا، وَبِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا وَكَذَا، فَذَهَبَ بِهِ الْمُشْتَرِي، فَهُوَ بِالْخِيَارِ فِي الْبَيْعَيْنِ مَا لَمْ يَكُنْ وَّقَعَ بَيْعٌ عَلٰى أَحَدِهِمَا، فَإِنْ وَّقَعَ الْبَيْعُ هٰكَذَا، فَهٰذَا مَكْرُوهٌ، وَهُوَ بَيْعَتَانِ فِي بَيْعَةٍ، وَهُوَ مَرْدُودٌ، وَهُوَ الَّذِي يُنْهٰى عَنْهُ، فَإِنْ وَّجَدْتَ مَتَاعَكَ بِعَيْنِهٖ أَخَذْتَهٗ، وَإِنْ كَانَ قَدِ اسْتُهْلِكَ؛ فَلَكَ أَوْكَسُ الثَّمَنَيْنِ وَأَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ .

”جب آپ کہیں : میں نقد پر اتنے میں اور ادھار پر اتنے میں دوں گا۔ پھر خریدار اسے لے جائے، تو جب تک کسی ایک معاملے پر بات طے نہ ہو، اسے دونوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار رہے گا۔ اگر اسی ابہام پر معاملہ طے ہوا، تو یہ مکروہ (حرام) ہوگا۔ یہی ایک بیع میں دو سودے ہیں، جو کہ باطل ہیں۔ اسی سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ اگر آپ اپنے سامان کو اسی حالت میں پائیں، تو اسے واپس لے لیں اور اگر وہ استعمال کیا جا چکا ہو، تو آپ کے لیے کم قیمت لینا اور زیادہ مدت دینا ضروری ہوگا۔“ (مصنّف عبد الرزّاق : 137/8)

یہ قول اگرچہ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی ”تدلیس“ کی وجہ سے ثابت نہیں، لیکن امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور دیگر اسلاف سے جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے، اس کی روشنی میں اسے تقویت مل جاتی ہے۔

حافظ خطابی رحمہ اللہ کا یہ قول اسی بارے میں ہے کہ :

لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ الْفُقَهَاءِ قَالَ بِظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيثِ، أَوْ صَحَّحَ

الْبَيْعَ بِأَوْكَسِ الثَّمَنَيْنِ؛ إِلَّا شَيْءٌ يُحْكٰى عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، وَهُوَ مَذْهَبٌ فَاسِدٌ، وَذٰلِكَ لِمَا يَتَضَمَّنُهُ هٰذَا الْعَقْدُ مِنَ الْغَرَرِ وَالْجَهْلِ .

''میرے علم میں کوئی ایک بھی ایسا فقیہ نہیں، جو اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے مطابق فتویٰ دیتا ہو یا کم قیمت میں بیع کو درست قرار دیتا ہو، سوائے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے منقول ایک روایت کے (وہ بھی ثابت نہیں)۔ یہ مذہب فاسد ہے، کیونکہ اس معاملے میں دھوکہ اور جہالت موجود ہے۔''

(معالم السنن شرح سنن أبي داوٗد : 3/112)

بعض اہل علم نے امام خطابی رحمہ اللہ پر سخت تنقید کی کہ ان کی یہ بات اس حدیث کے الفاظ کے خلاف ہے، لیکن دراصل یہ مخالفت نہیں، بلکہ حدیث کا وہ فہم ہے، جو ظاہراً اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ امام معمر بن راشد رحمہ اللہ وغیرہ کی وضاحت یہی بتاتی ہے کہ کم قیمت پر معاملہ طے کرنے کا یہ حکم نبوی اس صورت میں ہے، جب خریدار اس چیز کو صرف کر چکا ہو اور وہ اپنی اصلی صورت میں نہ رہی ہو۔ اگر وہ چیز اسی طرح پڑی ہو، تو قیمت کے عدمِ تعین کی بنا پر یہ بیع فسخ ہو جائے اور چیز مالک کو واپس مل جائے گی۔

اب اگر قیمت کے تعین و عدمِ تعین سے قطع نظر صرف بیع میں نقد وادھار کی قیمت میں فرق کرنا ہی ممنوع ہے، تو فریقِ ثانی کا اسی بیع میں نقد قیمت پر خرید وفروخت کی اجازت دینا بھی قطعاً صحیح نہیں۔

لیکن اصل بات، جو ائمہ اسلاف نے بھی بتائی ہے، یہی ہے کہ قیمت کے عدمِ تعین کی صورت میں ہی یہ بیع ناجائز ہوتی ہے اور ایسی صورت میں کم قیمت پر بھی بیع جائز نہیں ہوتی، الا یہ کہ خریدار چیز کو صرف کر چکا ہو۔ سد ذرائع کا اصول بھی اسی کا متقاضی ہے، ورنہ

خریدار کم قیمت کی نیت سے ایسا کریں گے، جبکہ بیچنے والے کے ذہن میں یہ ہو گا کہ اب ابہام میں سودا طے پا گیا ہے، تو میں زیادہ ہی لوں گا۔ یوں آپس کے تنازعات بنیں گے۔ اگر نقد وادھار میں سے ایک کا تعین ہو جائے گا، تو کوئی تنازعہ نہیں ہو گا۔

خلاصة التحقیق :

فریقین کے دلائل کا تجزیہ کر کے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر بائع نقد وادھار میں فرق کرے اور خریدار اسی مبہم معاملے پر اس سے جدا ہو جائے، تو یہ ناجائز وحرام ہے، لیکن اگر دونوں نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کر لیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ادھار کی بنا پر قیمت کے اضافے کی حرمت پر کوئی نص موجود نہیں اور اس پر مستزاد ادھار پر قیمت کے اضافے کے جواز پر اہل علم کا اجماع واتفاق بھی ہے۔

رہی وہ حدیث جسے مانعین دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تو اسلافِ امت اور ائمہ محدثین صرف ابہام والی صورت کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قیمت کا عدمِ تعین ہی اس بیع کے ناجائز ہونے کا سبب ہے۔ اسلاف کے خلاف بعض متاخرین کا قیمت کے عدمِ تعین کو سببِ حرمت نہ ماننا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

نقد وادھار کے فرق کے ناجائز ہونے کے حوالے سے بعض اہل علم نے کل بارہ اقوال پیش کیے، ان میں یا تو یہ مذکور ہے کہ ''نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں'' کے مبہم معاملے پر بیع کرنا ناجائز ہے اور یہ بات ان لوگوں کے بالکل موافق ہے، جو نقد وادھار میں فرق کر کے کسی ایک پر معاملہ طے کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ یا پھر ان اقوال میں واضح طور پر یہ موجود ہے کہ اگر نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کر لیا جائے، تو کوئی حرج نہیں، چاہے ادھار کی قیمت زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ یوں فریقِ ثانی کے ذکر کردہ تمام اقوال

فریقِ اوّل ہی کی تائید میں ہیں۔اس پر مستزاد کہ سلف صالحین، محدثین اور ائمہ دین سے ثابت شدہ مزید صریح اقوال بھی فریقِ اوّل ہی کی تائید کرتے ہیں۔

اس کے برعکس سلف میں سے کوئی ایک بھی شخص ایسا نہیں ملتا، جس نے یہ کہا ہو کہ ادھار کے بدلے میں قیمت کا اضافہ سود ہے اور ایک بیع میں دو سودے کرنے کے مترادف ہے۔اگر کسی اہل علم کے پاس اسلافِ امت کا کوئی ایسا قول ہو، تو وہ ہمیں اس سے ضرور آگاہ کرے۔

مندرجہ بالا تحقیق کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ قسطوں کا کاروبار شرعی اعتبار سے جائز ہے اور کسی چیز کو فروخت کرتے وقت نقد وادھار کا فرق کرنا ممنوع نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ سودا کسی معین قیمت ہی پر طے ہو، یعنی بائع ومشتری جدا ہونے سے پہلے نقد وادھار میں سے کسی ایک قیمت پر اتفاق کر چکے ہوں۔

اس تحقیق سے پہلے ہم بھی نقد وادھار کے فرق کو سود قرار دیتے تھے اور قسطوں کے کاروبار کو سودی کاروبار گردانتے تھے، لیکن حق واضح ہو جانے کے بعد ہمارے لیے اپنے اس موقف پر ڈٹے رہنا ممکن نہیں رہا۔ہم اپنی سابقہ اجتہادی غلطی پر اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلبگار ہیں اور پُر امید ہیں کہ ہماری یہ اجتہادی غلطی بھی ہمارے لیے ثواب ہی کا باعث بنی ہو گی، کیونکہ اس وقت بھی ہمارے سامنے دلائل شرعیہ ہی تھے، لیکن ان کو سمجھنے میں ہمیں غلطی لگی تھی۔اب بھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے فریقین کے دلائل کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور جسے حق سمجھا ہے، قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ ہم نے کبھی تحقیق میں ہٹ دھرمی اور جانبداری سے کام نہیں لیا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کی سمجھ بھی عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق بھی۔آمین!